مثنوی میر حسن

موسوم بہ

سحر البیان

معہ مقدمہ از

حامد اللہ افسر بی اے، ایم آر اے ایس
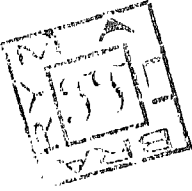
نہیں مثنوی ہے یہ اک پھلجھڑی
مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی

نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں
نہیں مثنوی ہے یہ "سحر البیاں"

(میر حسن)

مقدمہ

مصنف کے سوانحی حالات

میر غلام حسن نام حسن تخلص، میر غلام حسین ضاحک کے فرزند رشید تھے۔ دلّی میں پیدا ہوئے، ابھی بارہ ہی سال کی عمر تھی کہ باپ کے ہمراہ فیض آباد آگئے، اس وقت فیض آباد "حاکم نشین" شہر تھا، لکھنؤ ایک قصبہ تھا۔ آصف الدولہ نے اسکو آباد کیا۔

میر حسن نے باپ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی کچھ مدت بعد نواب سرفراز جنگ خلف نواب سالار جنگ کی سرکار میں ملازم ہوئے کچھ عرصہ فیض آباد میں رہے پھر لکھنؤ آگئے۔

وضع

مولانا آزاد ان کے حلیئے اور طرز لباس کے متعلق آب حیات میں فرماتے ہیں "خندہ جبیں شگفتہ مزاج اور ظریف طبع تھے، تہذیب و شائستگی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ میانہ قد خوش اندام، گورا رنگ۔ جملہ قوانین شرافت اور آئین خاندان میں اپنے والد کے پابند تھے مگر داڑھی منڈاتے تھے، سر پر بانکی ٹوپی تن میں تن زیب کا انگرکھا، پھنسی ہوئی آستین کمر سے ڈوپٹا بندھا،"

اصلاح سخن | میر حسن وہبی شاعر تھے۔ قدرت نے انھیں بطنِ مادر سے شاعر پیدا کیا تھا۔ جب تک دلّی میں رہے اپنے والد سے اصلاح لیتے رہے۔ اودھ میں آکر میر ضیاء الدین کے شاگرد ہوئے مگر ان کی روش پر چل نہ سکے۔ خواجہ میر دردؔ، میرزا رفیع سوداؔ اور میر تقی کے کلام کا تتبع کیا۔ چنانچہ خود اپنے تذکرے میں فرماتے ہیں :-

"اصلاح سخن از میر ضیا سلمہ گرفتہ ام لیکن طرز او شاں از من کماحقہ سرانجام نیافت، بہ تتبع دیگر بزرگاں و میرزا رفیع سودا و میر تقی پیروی نمودم"۔

مولانا آزاد نے میر حسن کو خواجہ میر دردؔ اور میرزا رفیع سوداؔ کا شاگرد بھی لکھا ہے لیکن خود میر حسن نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ "پیروی کرنا شاگردی نہیں ہے"، بارہ سال کی عمر میں دلّی سے چلے گئے تھے۔ پھر خواجہ میر دردؔ سے اصلاح کیونکر لیتے۔

تصانیف | میر حسن کی تصانیف میں ایک دیوان، ایک تذکرہ شعرائے ریختہ کا اور گیارہ مثنویاں ہیں لیکن ان سب مثنویوں میں سحر البیان سب سے زیادہ مقبول ہے۔

انداز کلام | میر حسن اعلےٰ پایہ کے شاعر تھے، غزل میں انکا

درجہ بہت بلند ہے لیکن قصیدے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ محاورات کو بہت اچھے اسلوب سے استعمال کرتے ہیں۔ کلام میں روانی اور بیساختہ پن بہت ہے۔ غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

نہ رہتی تھیں آہیں نہ تھمتے تھے آنسو
حسنؔ تجھ کو کیا رات غم تھا کسی کا

اُس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا
جیسے کوئی بھولا ہوا پھرتا ہے کچھ اپنا

میں حشر کو کیا روؤں کہ اُٹھ چلنے سے تیرے
برپا ہوئی اِک مجھ پہ قیامت تو یہیں اور

چھیڑا حسنؔ نے اپنا قصہ   بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

سماں تھا کل عجب ہونے سے تیرے شوخ محفل میں
کہ سو سو آرزوئیں مضطرب پھرتی تھیں ہر دل میں

پہنچے نہ حسنؔ منزلِ مقصود کو ہم اور   آخر ہوئے سب یوں ہی بس ایام سفر میں

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا روسکے　　دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہوسکے

آغازِ محبت میں دیکھا تو یہ کچھ دیکھا　　کیا جانئے کیا ہوگا انجام مرے دل کا

اظہارِ خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد　　ظاہر کا یہ پردا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

نغمۂ عشق سے ہیں سبحہ و زنار ملے　　ایک آواز پہ دو ساز کے ہیں تار ملے

سنہ ۱۲۰۱ھ میں میر حسن نے وفات پائی۔ مصحفی نے "شاعرِ شیریں زبان" سے تاریخ نکالی۔

سحر البیان | میر حسن نے سحر البیان میں بے نظیر اور بدرِ منیر کا قصہ نظم کیا ہے۔ یہ مثنوی میر حسن کا شاہکار ہے اور اردو زبان کے کلاسکس میں ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ جہاں تک طرزِ بیان کا تعلق ہے سحر البیان اپنا جواب نہیں رکھتی۔ الفاظ کا در و بست۔ محاوروں کا کھپانا۔ بیان کی صفائی اور سلاست تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں۔

سحر البیان کا قصہ بعید از قیاس اور فرضی ہے لیکن میر حسن کے بیان میں وہ کیفیت ہے اور وہ ہر واقعہ کو اس کمال کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اردو ادب کے اِس دورِ واقعیت میں بھی انکی مثنوی اسی طرح وقعت کی

نگاہ سے دیکھی جاتی ہے جس طرح اُس وقت دیکھی جاتی تھی۔ جب جن اور پریاں ہمارے لٹریچر کی روح رواں تھیں اور ہماری زندگی کے روزانہ واقعات میں خاص دخل رکھتی تھیں۔

سحرالبیان کی زبان نہایت فصیح اور بامحاورہ ہے۔ تعجب یہ ہے کہ یہ مثنوی اُس وقت لکھی گئی تھی جب اُردو کا بچپن تھا۔ اُسی زمانہ کے اور شعراء کا کلام دیکھئے تو ہر شعر میں ایسے متعدد الفاظ ملیں گے جو آجکل بالکل متروک ہیں لیکن میرحسن کی زبان بہ ادنیٰ تغیر وہی ہے جو آج کل بولی جاتی ہے۔

پھر یہ بھی نہیں کہ اُردو کے اور شعراء نے مثنویاں نہ لکھی ہوں بڑے بڑے قادرالکلام شعراء اس میدان میں گام زن نظر آتے ہیں۔ میرتقی میر اور میرزا سودا نے بھی مثنویاں لکھی ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوئے

سحرالبیان اور گلزارنسیم

اُردو میں مثنویوں کی تعداد میرے نزدیک سیکڑوں سے گذر کر ہزاروں تک پہنچ گئی ہے لیکن بقول مولانا آزاد "ان میں فقط دو نسخے ایسے نکلے جنھوں نے طبیعت کی موافقت سے قبول عام کی سند پائی۔ ایک سحرالبیان، دوسری گلزارنسیم"۔ مگر ان دونوں مثنویوں میں سوائے اس کے کہ دونوں مثنویاں ہیں اور

کوئی بات مشترک نہیں ہے۔ دونوں کے راستے الگ الگ ہیں
ہیں تو یہ ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں۔ کہ نسیم نے میر حسن کے
مقابلہ پر مثنوی لکھی۔ دونوں مثنویوں کی بحر مختلف۔ طرز بیان مختلف،
تخیل کی رو مختلف۔ پھر یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ گلزار نسیم سحر البیان
کے جواب میں لکھی گئی۔ میر حسن کی مثنوی سلاست۔ روانی۔ سادگی۔
اور بے تکلفی کی جان ہے۔ نسیم کی مثنوی معنی آفرینی۔ بلند پروازی
نازک خیالی میں فرد ہے۔ میر حسن سادہ اور سلیس زبان میں نہایت
بے ساختگی کے ساتھ خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ نسیم کے یہاں
الفاظ کی شوکت۔ تشبیہ کی نزاکت اور بندش کی چستی قابل
داد ہے۔ نسیم معنی آفرین ہیں میر حسن سخن آفرین۔

نسیم کی مثنوی کا ایک بڑا وصف اس کا اختصار ہے۔ ہر واقعہ کو
اس قدر اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شاید اس سے زیادہ اختصار
ممکن نہیں۔ اس کے برخلاف میر حسن کی مثنوی میں ہر واقعہ کو ضرورت
سے زیادہ طول دیا ہے اور میرے نزدیک یہی اس مثنوی کا سب سے
بڑا عیب ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو درد اور سوز و گداز میر حسن کے یہاں
ہے وہ نسیم کے یہاں نہیں اور جو شکوہ الفاظ اور تناسب اور ترکیبوں

اور بندشوں کی متانت نسیم کے یہاں ہے وہ میر حسن کے یہاں نہیں۔

متروک الفاظ | سحر البیان میں ایسے الفاظ کم ہیں جو اب متروک ہو گئے ہیں اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ میر حسن کو زبان پر کس قدر قدرت حاصل تھی اور وہ زبان کے ارتقاء اس کی آئندہ روش اور اس کے مستقبل پر کس قدر گہری نظر رکھتے تھے۔

سحر البیان میں عموماً حسب ذیل متروک الفاظ پائے جاتے ہیں۔

سبھوں - آوے - دیوے - اکھوں - گذرانیاں - ناؤں

ساریاں - آتیاں - جاتیاں - دکھلاتیاں - بٹھاتیاں - لیتی اور یہ - وغیرہ - یہ الفاظ اُن دنوں عام طور پر رائج تھے اور فصیح سمجھے جاتے تھے۔

سحر البیان کی خامیاں | گلزار نسیم سے موازنہ کے دوران میں میں نے مندرجہ بالا سطور میں عرض کیا ہے کہ سحر البیان کا سب سے بڑا عیب اس کا غیر ضروری طول ہے۔ میر حسن ہر واقعہ کو بہت شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے ہیں ممکن ہے کہ بعض اصحاب اس سے لطف اندوز ہوتے ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ مجموعی طور پر بہ حیثیت ایک ادبی فنپارے کے سحر البیان میں اس خواہ مخواہ کے

طول سے نے خامیاں پیدا کر دی ہیں۔

اِس کے علاوہ بعض زبان کی خامیاں بھی رہ گئی ہیں مثلاً:۔

یہ لڑکا تو ہو گا وے کیا کہیں

خطر ہے اسے بارھویں برس میں

"برس" بہ سکون را نہیں ہے بلکہ بہ فتح را ہے ایک اور شعر ہے۔

لئے ہاتھ میں بیلچے مالنیں

چمن کو لگیں دیکھنے بھالنیں

"بھالنیں" کی جگہ بھالنے ہونا چاہیئے۔ یہ لفظ اسوقت بھی رائج تھا۔

"طرف" کو کسی جگہ بہ سکون "را" لکھا ہے اور کسی جگہ بہ فتح را مثلاً

کنیزانِ مہرو کی ہر طرف ریل

چنبیلی کوئی اور کوئی رائے بیل

تھے اِک طرف گنجان باہم درخت

کہ لپٹے ہوں جس طرح مشتاق سخت

بلوریں دھری ہر طرف سنگ فرش

کہ جس سے منور ہوا رنگ فرش

نظر جس طرف جائے نزدیک و دور
اُسی ایک مہ کا ہے ہر جا ظہور

خدا جانے یہ فروگذاشتیں میر حسن جیسے پختہ کار اور قادر الکلام شاعر سے کیونکر ظہور میں آئیں۔

سحر البیان کے محاسن

مجموعی طور پر سحر البیان اُردو ادب میں ممتاز ترین درجہ رکھتی ہے۔ زبان کے لحاظ سے میرے نزدیک جو وقعت نثر میں میر امّن کی "باغ و بہار" کو حاصل ہے اس سے کئی درجہ زیادہ سحر البیان کو نصیب ہے۔ اُردو زبان پر میر حسن کی مثنوی کا جو اثر پڑا ہے وہ اور کسی ایک کتاب کا نہیں پڑا۔

سحر البیان کے بعض شعر ضرب المثل بن گئے ہیں اور زبان زد خاص و عام ہیں۔ مثلاً

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

کٹی رات حرف و حکایات میں
سحر ہوگئی بات کی بات میں

کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں
سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں

میر حسن ایک باکمال مصور ہے۔ واقعات کی تصویر الفاظ میں اس خوبی سے کھینچی ہے کہ نظر کے سامنے ہو بہو تصویر آجاتی ہے جو حالت وہ بیان کرتا ہے اس کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

تخئیل کے اعتبار سے بھی سحر البیان کا درجہ بہت بلند ہے۔ درد اور سوز و گداز گویا کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ سحر البیان کے اشعار اس قدر تاثیر میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ بجلی کی طرح دل پر اثر کرتے ہیں۔

میں نے اس مختصر مقدمہ میں سحر البیان کے متعلق جو کچھ عرض کیا ہے اس کا صحیح اندازہ آپ کو مثنوی کے مطالعہ کے بعد ہوگا۔ میر حسن نے یہ مثنوی لکھ کر ہماری ملکی زبان پر زبردست احسان کیا ہے اور جب تک اس زبان کے بولنے اور سمجھنے والے دنیا میں موجود ہیں میر حسن کا نام دلوں پر نقش رہیگا اور سحر البیان کو آنکھوں میں جگہ دیجائیگی۔
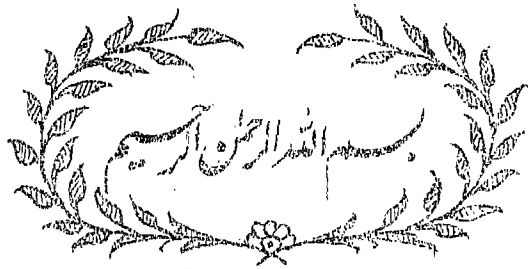
مفتی اسٹریٹ میرٹھ

حامد اللہ افسر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کروں پہلے توحید یزداں رقم — جھکا جس کے سجدے کو اوّل قلم

سر لوح پر رکھ بیاض جبیں — کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں

قلم پھر شہادت کی انگلی اٹھا — ہوا حرف زن یوں کہ رب العلا

نہیں تیرا کوئی نہ ہوگا شریک — تری ذات ہے وحدہٗ لاشریک

پرستش کے قابل ہے تو اے کریم — کہ ہے ذات تیری غفور الرحیم

رہے بندہ یاں تیری عزّ و جل — تجھے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل

وہ خالق کہ ایسا ہی معبود ہے — قلم جو لکھے اُس سے افزود ہے

سبھوں کا وہی دین و ایمان ہے — یہ ہیں دل تمام اور وہی جان ہے

ثمر تازہ ہے اُس سے گلزار خلق — وہ ابر کرم ہے ہوادار خلق

اگرچہ وہ بے فکر و غیور ہے — ولے پرورش سب کی منظور ہے

کسی سے نہ بر آوے کچھ کام یاں — جو وہ مہرباں ہے تو کل مہرباں

اگرچہ یہاں کیا ہے اور کیا نہیں — پر اُس بن تو کوئی کسی کا نہیں

سو ہے پیش اُس سے رفتہ گذشت — اُسی کی طرف سب کی ہے بازگشت

رہا کون اور کس کی بابت رہی ۔۔۔ موے اور جیتے وہی ہے وہی

نہاں سب میں اور سب میں ہے آشکار ۔۔۔ یہ سب اُسکے عالم ہیں ہژدہ ہزار

وہی سب میں اُس سے وہی سب بیش ۔۔۔ ہمیشہ سے ہے اور رہیگا ہمیش

چمن میں ہیں وحدت کے یکتا وہ گُل ۔۔۔ کہ مشتاق ہیں جسکے یاں جزو کُل

اُسی سے ہے کعبہ اُسی کا کنشت ۔۔۔ اُسی کا ہے دوزخ اُسی کا بہشت

جسے چاہے جنّت میں دیوے مقام ۔۔۔ جسے چاہے دوزخ میں رکھے مدام

وہ ہے مالکِ ملکِ دُنیا و دیں ۔۔۔ ہے قبضے میں اُسکے زمان و زمیں

سدا ہے نمودوں کی اُس سے نمود ۔۔۔ دلِ بستگاں کا ہے اُس سے کشود

اُسی کی نظر سے ہے ہم سب کی دید ۔۔۔ اُسی کے سخن پر ہے گفت و شنید

وہی نور ہے سب طرف جلوہ گر ۔۔۔ اُسی کے یہ ذرّے ہیں شمس و قمر

نہیں اُس سے خالی غرض کوئی شے ۔۔۔ وہ کچھ شے نہیں پر ہر اک شے میں ہے

نہ گوہر میں وہ ہے نہ ہے سنگ میں ۔۔۔ ولیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں

وہ ظاہر میں ہر چند ظاہر نہیں ۔۔۔ پہ ظاہر کوئی اُس سے باہر نہیں

تامل سے کیجے اگر غور کچھ ۔۔۔ تو سب کچھ وہی ہے نہیں اور کچھ

اُسی گُل کی ہے بو سے خوشبو گلاب ۔۔۔ پھرے ہے لئے ساتھ دریا حباب

پر اُس جوش میں آکے بہتا نہیں ۔۔۔ سمجھنے کی ہے بات کہتا نہیں

قلم گو زباں لاوے اپنی ہزار ۔۔۔ لکھے کس طرح حمد پروردگار

کہ عاجز ہے یاں انبیا کی زباں — زبانِ قلم کو یہ قدرت کہاں

اس عہدے سے کوئی بھی نکلا نہیں — سوا عجز درپیش یاں کچھ نہیں

وہ معبود یکتا خدائے جہاں — کہ جس نے کیا کن میں کون و مکاں

دیا عقل و ادراک اُسنے ہمیں — کیا خاک سے پاک اُس نے ہمیں

پیمبر کو بھیجا ہمارے لیے — وصی اور امام اُس نے پیدا کئے

جہاں کو اُنھوں نے دیا انتظام — بُرائی بھلائی سوجھائی تمام

دکھائی اُنھوں نے ہمیں راہ راست — کہ تا ہو نہ اُس راہ کی باز خواست

سو وہ کونسی راہ شرعِ نبیؐ — کہ رستے کو جنت کے سیدھی گئی

نعت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کون یعنے رسولِ کریمؐ — نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم

ہوا گو کہ ظاہر میں اُمّی لقب — پہ علمِ لدنّی کھلا دل پہ سب

بغیر از لکھے اور کہے بے رقم — چلے حکم پر اُس کے لوح و قلم

ہوا علم دیں اُس کا جو آشکار — گزشتہ ہوئے حکم تقویم پار

اُٹھا کفر اسلام ظاہر کیا — بتوں کو خدائی سے باہر کیا

کیا حق نے نبیوں کا سردار اُسے — بنایا نبوت کا حقدار اُسے

نبوت جو کی حق نے اُس پر تمام — لکھا اشرف الناس خیر الانام

بنایا سمجھ بوجھ کر خوب اُسے ‏ ‏ خدا نے کیا اپنا محبوب اُسے

کہوں اُسکے رتبہ کا کیا میں بیاں ‏ ‏ کھڑے ہوں جہاں بادشہ صف میں سلطاں

مسیح اُسکے خرگاہ کا پارہ دوز ‏ ‏ تجلی طور اُس کی مشعل فروز

خلیلؑ اُس کے گلزار کا باغباں ‏ ‏ سلیماںؑ سے کئی مہرہ دار اُسکے واں

خضرؑ اُس کی سرکار کا آبدار ‏ ‏ زرہ ساز داؤدؑ سے واں ہزار

محمدؐ کے مانند جگ میں نہیں ‏ ‏ ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں

یہ تھی رمز جو اُسکے سایا نہ تھا ‏ ‏ کہ رنگِ دوئی واں تک آیا نہ تھا

نہ ہونے کے سایہ کا تھا یہ سبب ‏ ‏ ہوا صرف پوشش میں کعبہ کی سب

وہ قد اس لئے تھا نہ سایہ فگن ‏ ‏ کہ تھا گُل وہ اِک معجزے کا بدن

بنا سایہ اُس کا لطیف اس قدر ‏ ‏ نہ آیا لطافت کے باعث نظر

عجب کیا جو اُس گُل کے سایہ نہ ہو ‏ ‏ کہ تھا وہ گُل قدرتِ حق کی بو

خوش آیا نہ سایہ کو ہونا جدا ‏ ‏ اُسی نورِ حق کے رہا زیرِ پا

نہ ڈالی کسی شخص پر اپنی چھاؤں ‏ ‏ کسی کا نہ منہ دیکھا دیکھ اُسکے پاؤں

وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پہ ‏ ‏ قدم اُس کے سایہ کا تھا عرش پہ

نہ ہونے کی سائے کے اک وجہ اور ‏ ‏ سمجھ خوب سن تجھ پہ ہے شرطِ غور

جہاں تک کہ تھے یاں کے اہلِ نظر ‏ ‏ سمجھ سایہ نور کحل البصر

سبھوں نے لیا پتلیوں پر اُٹھا ‏ ‏ زمیں پر نہ سائے کو گرنے دیا

سیاہی کی پتلی کا ہے یہ سبب　　وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
دگر نہ یہ تھی چشم اپنی کہاں　　اسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں
نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا　　ملائک کے دل میں سمایا رہا

منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام

نہیں ہمسر اُس کا کوئی جز علیؑ　　کہ بھائی کا بھائی وصی کا وصی
ہوئی جو نبوت نبی پہ تمام　　ہوئی نعمت اُسکے وصی پر تمام
جہاں فیض سے اُنکے ہے کامیاب　　نبیؐ آفتاب و علیؑ ماہتاب
علیؑ دین و دنیا کا سردار ہے　　کہ مختار کے گھر کا مختار ہے
دیارِ امامت کے گلشن کا گل　　بہارِ ولایت کا باغِ سبل
علیؑ رازدارِ خدا و نبیؐ　　خبردارِ سرِّ خفی و جلی
علیؑ بندۂ خاص درگاہِ حق　　علیؑ سالک و رہبرِ راہِ حق
علیؑ ولی ابن عمِ رسولؐ　　لقب شاہِ مردان و زوجِ بتول
کہے یوں جو چاہے کوئی بیر سے　　پہ نسبت علیؑ کو نہیں غیر سے
خدا نفس پیغمبرش خواندہ است　　دگر را فضیلت بکس ماندہ است
یہاں بات کی اب سمائی نہیں　　نبیؐ اور علیؑ میں جدائی نہیں
نبیؐ اور علیؑ پھر دو نسبت بہم　　دوتا و یکے چوں زبان و قلم

علیؑ کا عدو دوزخی دوزخی | علی کا محب جنتی جنتی
نبیؐ و علیؑ فاطمہؓ اور حسنؑ | حسینؑ ابن حیدر یہ ہیں پنجتن
ہوئی اُنپہ دو جگ کی خوبی تمام | اُنھوں پر درود اور اُنھوں پر سلام
علیؑ سے لگا تا بہ مہدیؑ دیں | یہ ہیں ایک نورِ خدا کے بریں
انھوں سے ہے قائم امامت کا گھر | کہ بارہ ستوں ہیں یہ اثنا عشر
صغیرہ کبیرہ سے یہ پاک ہیں | حسابِ عمل سے یہ بیباک ہیں

تعریف اصحاب پاک رضوان اللہ علیہم

ہوا یاں سے ظاہر کمالِ رسول | کہ بہتر ہوئی سب سے آلِ رسولؐ
سلام اُن پہ جو اُسکے اصحاب ہیں | وہ اصحاب کیسے کہ احباب ہیں
خدا نے اُنھوں کو کہا مومنیں | وہ ہیں زینتِ آسمان و زمیں
خدا اُن سے راضی رسولؐ اُنسے خوش | علیؑ اُنسے راضی بتولؓ اُنسے خوش
ہوئی فرض اُن کی ہمیں دوستی | کہ ہیں دل سے وہ جاں نثارِ نبیؐ

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

الٰہی بحق رسول امیں | بحق علیؑ و باصحاب دیں
بحق بتولؓ و بآلِ رسول | کروں عرض جو ہو وہ ہووے قبول

الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں — گناہوں میں اپنے گرانبار ہوں

مجھے بخشیو میرے پروردگار — کہ تو ہے کریم اور آمرزگار

مری عرض یہ ہے کہ جبتک جیوں — شراب محبت کو تیرے پیوں

سوا تیری اُلفت کے اور سب ہیچ — یہی ہو نہ ہو اور کچھ اینچ پینچ

جو غم ہو تو ہو آل احمد کا غم — سوا اس الم کے نہ ہو کچھ الم

رہے سب طرف سے مرے دل کو چین — بحق حسنؑ اور بحق حسینؑ

کسی سے نہ کرنی پڑے التجا — تو کر خود بخود اُس کی حاجت روا

صحیح اور سالم سدا مجھ کو رکھ — خوشی سے ہمیشہ خدا مجھ کو رکھ

مری آل و اولاد کو شاد رکھ — مرے دوستوں کو تو آباد رکھ

میں کہتا ہوں جھکا کے سر اے کریم — سدا رحم کر اُن پہ تو اے رحیم

جیوں آبرو اور حرمت کے ساتھ — رہوں میں عزیزوں میں عزت کے ساتھ

بر آویں مرے دین و دنیا کے کام — بحق محمد علیہ السلام

تعریف سخن

پلا مجھ کو ساقی شراب سخن — کہ مفتوح ہو جس سے باب سخن

سخن کی مجھے فکر دن رات ہے — سخن ہی تو ہے اور کیا بات ہے

سخن کے طلبگار ہیں عقلمند — سخن سے ہے نام نکویاں بلند

سخن کی کریں قدر مردانِ کار — سخن نام اُن کا رکھے برقرار
سخن سے وہی شخص رکھتے ہیں کام — جنھیں چاہیے ساتھ نیکی کے نام
سخن سے سلف کی بھلائی رہے — زبانِ قلم سے بڑائی رہے
کہاں رستم و گیو و افراسیاب — سخن سے رہی بات یہ نقلِ خواب
سخن کا صلہ یار دیتے رہے — جواہر سدا مول لیتے رہے
سخن کا سدا گرم بازار ہے — سخن سنج اُس کا خریدار ہے
رہے جب تلک داستانِ سخن — الٰہی رہیں قدردانِ سخن

مدح شاہِ عالم بادشاہ غازی بہادر کی

خدیوِ فلک شاہِ عالی گہر — زمیں بوس ہیں جسکے شمس و قمر
جہاں اُسکے پرتو سے ہے کامیاب — وہ ہے برجِ اقلیم میں آفتاب
اُسی مہر سے ہے منور یہ ماہ — جہاں ہووے اور ہو جہاندار شاہ
وہ مہرِ منور یہ ماہِ منیر — اور اُس کا یہ نجمِ سعادت وزیر

مدح وزیر الممالک جناب نواب آصف الدولہ بہادر کی

فلک رتبہ نواب عالی جناب — کہ ہے آصف الدولہ جسکا خطاب
وزیرِ جہاں عالمِ عدل و داد — ہے آبادیٔ ملک جس کی مراد

بیان سخاوت کا

بیانِ سخاوت کروں جو رقم — تو زر ریز کاغذ پہ ہووے قلم
نظر سے تو جب کی دیکھا جدھر — دیا مثل نرگس اُسے سیم و زر
سخاوت یہ ادنیٰ سی اک اُسکی ہے — کہ اک دن دو شالے دیئے سات سے
سوا اس کے ہے اور یہ داستاں — کہ ہو جس پہ قربان حاتم کی جاں
ہوئی کم جو اک بار کچھ برشگال — گرانی سی ہونے لگی ایک سال
غریبوں کا دم سا نکلنے لگا — توکل کا بھی پانوں چلنے لگا
وزیر الممالک نے تدبیر کر — خدا کی دیا راہ میں مال و زر
محلہ محلہ کیا حکم یہ — کہ تا اُٹھ سے اس غم کی کھولیں گرہ
یہ چاہا کہ خلقت کسی ڈھب جیئے — کئی لاکھ لاکھ ایسا دن میں دیئے
یہ لغزش پڑی ملک میں جو تمام — لیا ہاتھ نے اسکے گرتوں کو تھام
یہ بندہ نوازی یہ جاں پروری — یہ آئین سرداری و سروری
ہوئی ذات پر اُس سخی کے تمام — نکلنے سے آگے سخاوت کا نام
فقیروں کی ہے یاں تلک تو نگی — کہ ایک ایک یاں ہو گیا ہے غنی
لیا دخل آواز دے جو گدا — چٹک کی کلی کی نہ ہووے صدا
نہ ہو اُسکا مثال جو ابر کرم — اثر ابرِ نیساں سے تا ہووے کم

قدح ایکے نرگس جو ہووے کھڑی — تو خجلت سے جاوے زمیں بیچ گڑی
ہراک کام اسکے جہاں کی مراد — فلاطوں طبیعت ارسطو نژاد
جب ایسا وہ پیدا ہوا ہے بشر — تب اُس کو دیا ہے یہ کچھ مال و زر

بیان شجاعت کا

لکھوں گر شجاعت کا اسکے بیاں — قلم ہو مرا رستم داستاں
غضب سے وہ ہاتھ اپنا جس پر اُٹھائے — اجل کا نطا سمجھ قسم اسکی کھائے
کرے جس جگہ زور اُس کا نمود — دل آہن اُس جا پہ ہووے کبود
چلے تیغ گر اُس کی روز مصاف — نظر آئے دشمن سے میدان صاف
اگر بے حیائی سے کوئی عدو — ملا دیوے اُس تیغ سے تند خو
تو ایسی ہی کھا کر گرے سر کے بل — کہ سر پر کھڑی اُسکے رووے اجل
نہ ہو کیونکہ وہ تیغ برق غضب — کہ تیزش کی تشدید جوہر ہیں سب
ہوئی ہم قسم اُس کی تیغ اجل — نکل کے یہ گر پیٹ سے تو اژدگر
لگا دے اگر کوہ پر ایک بار — گذر جائے یوں جیسے صابن سے تار
غضب سے غضب اُسکے کانپا کرے — تہور سے ہیبت کی اُسکے ڈرے
اور اس زور پر ہے یہ حلم و حیا — کہ ہے خلق کا جیسے دریا بہا
یہانتک کہ ہیں علم و کسب و کمال — ہر اک فن میں ماہر ہے وہ خوش خصال

سخنداں سخن سنج شیریں بیاں — وزیر جہان و وحید زماں

سخن کی نہیں اُس سے پوشیدہ بات — غوامض ہیں سب سہل اُسکے نکات

سلیقہ ہر اک فن میں ہر بات میں — نکلتی نئی بات دن رات میں

سدا سیر پر اور تماشے پہ دل — کشادہ دلی اور خوشی متصل

نہ ہو اُس کو کیونکر ہوائے شکار — شہور شعاروں کا ہے یہ شعار

دلیروں کو ہے بس دلیری سے کام — کہ رہتا ہے شیروں کو شیری سے کام

شہاں را ضرورست شوق شکار — کہ آید پئے صید و اسپا بکار

سر کھلے بند ہیں جتنے صحرا میں صید — ہیں نواب کے دام اُلفت میں قید

زبس ہیں دل آہواں سوختہ — بفتراک او چشمہا دوختہ

شجاعت کا زینت کا یہ کام ہے — درم ہاتھ میں ہے کہ بادام ہے

نہ ہوتا اگر اُس کو قصد شکار — درندوں سے بچتا نہ شہر و دیار

نہ بچتے جہاں بیچ خرد و بزرگ — یہ ہو جاتے سب لقمۂ شیر و گرگ

یہ انسان پر اُس کا احسان ہے — کہ بے خوف انسان کی جان ہے

بنائی جہاں اُس نے نخچیر گاہ — رہے صید واں آ کے شام و پگاہ

رکھا صید نے ٹکڑی پہ جسدم خیال — لیا پشت پر اپنی ماہی نے جال

گلا اپنا دیتے ہیں جی جان کر — کہ ٹاپو پہ گرتے ہیں آن آن کر

نہ نکلتی ہے دریا میں سوس — خوشی سے اُچھلتی ہے دریا میں [illegible]

چرندوں کا دل اس طرف ہو لگا　　پرندوں کو رہتی ہے اس کی ہوا

پلنگوں کا ہے بلکہ چیتا یہی　　کہ آہو سے بڑھ جاوے بھاری کوئی

خبر اس کی سنکر یہ گینڈا سے چلے　　کہ ہاتھی کبھی ہو سکے اپنی جا سے چلے

جو کچھ دل میں گینڈے کے آوے خیال　　تو بھاگے اس آگے سپر اپنی ڈال

کھڑے ارنے ہوتے ہیں سر جوڑ جوڑ　　کہ جی کون دیتا ہے بدھ کے ہوڑ

اطاعت کے حلقے سے بھاگے جو فیل　　پلک اسکی آنکھوں میں ہو رود نیل

سو وہ تو اطاعت میں یکدست ہیں　　فقط میں محبت کے سب مست ہیں

اسی کے لئے کوہ کب ہیں یہ پہاڑ　　قدم اپنے رکھتے ہیں سب گاڑ گاڑ

کہ مشتاق پشت سواری سے ہوں　　سر افراز چل کر سواری سے ہوں

چلن جب کہ ہو دیں یہ حیوان کے　　تو پھر حق بجانب ہو انسان کے

کسے ہو نہ صحبت کی اسکی ہوس　　وہ لے کیا کریں جو نہ خود دسترس

عجز و انکسار مصنف اور عرض کرنا داستان کا

فلک بارگاہا ملک درگہا　　ہوا ہیں جو قدموں سے تیرے رہا

نہ کچھ عقل نے اور نہ تدبیر نے　　رکھا مجھ کو محروم تقدیر نے

پر اب عقل نے میرے کھولے ہیں گوش　　دیا ہے مدد نے تری مجھ کو ہوش

سو میں اک کہانی بنا کر نئی　　در فکر کے گوندھ لڑیاں کئی

لے آیا ہوں خدمت میں بہرِ نیاز یہ امید ہے پھر کہ ہوں سرفراز
مرا عذر تقصیر ہووے قبول بحق علیؑ و بآلِ رسول
رہیں شاد و آباد کل خیر خواہ پھریں اس گھرانے سے دشمن تباہ
رہے جاہ و حشمت ترا یہ مدام بحق محمدؐ علیہ السلام

آغازِ داستان

اب آگے کہانی کی ہے داستاں ذرا سنئے دل دے کے اسکا بیاں
کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی پناہ
بہت حشمت و جاہ و مال و منال بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال
کئی بادشاہ اُس کو دیتے تھے باج خطا و ختن سے وہ لیتا خراج
کوئی دیکھتا آکے جب اُسکی فوج تو کہتا کہ ہے بحرِ ہستی کی موج
دلو جیلے کے آسکے جو ادنیٰ سے تھے خر اُنھیں نعلبندی میں ملتا تھا زر
جہاں تک کہ سرکش تھے اطراف کے وہ اُس شہ کے رہتے تھے قدموں لگے
رعیت تھی آسودہ و بےخطر نہ غم مفلسی کا نہ چوری کا ڈر
عجب شہر تھا اس کا مینو سواد کہ قدرت خدائی کی آتی تھی یاد
لگے تھے ہر اک جا پہ واں سنگ و خشت ہر اک کوچہ اُسکا تھا رشکِ بہشت
زمیں سبز و سیراب عالم تمام نظر کو طراوٹ وہاں صبح و شام

عمارت تھی گچ کی وہاں بیشتر
کہ گذرے صفائی سے جس پر نظر

کہیں چاہ منبع کہیں حوض نہر
ہر اک جا پہ آب لطافت کی لہر

کروں اُسکی وسعت کا کیا میں بیاں
کہ جو اصفہاں تھا وہ نصف جہاں

ہنرمند واں اہل حرفہ تمام
ہر اک نوع خلقت کا تھا اژدحام

یہ دلچسپ بازار تھا چوک کا
کہ ٹھہرے جہاں پر وہیں دل لگا

جہاں تک کہ رستے تھے بازار کے
کہے تو کہ رستے تھے گلزار کے

وہ پختہ مکانوں کے دیوار و در
سپیدی پہ جن کی نہ ٹھہرے نظر

صفا پر جو اس کی نظر کر گئے
اُسے دیکھ کر سنگ مرمر گئے

کہوں قلعی کی اُس کی ہیں کیا شکوہ
گئے دب بلندی کو دیکھ اُسکی کوہ

وہ دولت سرا خانۂ نور تھا
سدا عیش و عشرت سے معمور تھا

ہمیشہ خوشی رات دن سیر باغ
نہ دیکھا کسی دن بجز لالہ داغ

سدا عیش و عشرت سدا راگ رنگ
نہ تھا زیست سے اپنی کوئی بہ تنگ

غنی واں ہوا جو کہ آیا تباہ
عجب شہر تھا اور عجب بادشاہ

نہ دیکھا کسی نے کوئی واں فقیر
ہوئے اُسکی دولت سے گدا گر امیر

کہاں تک کہوں اُسکا جاہ و حشم
محل و مکاں اُسکا رشک ارم

سدا ماہرویاں سے صحبت اُسے
سدا جامہ زیبوں سے رغبت اُسے

ہزاروں پری پیکر اُس کے غلام
کمربستہ خدمت میں حاضر مدام

کسی طرح کا وہ نہ رکھتا تھا غم — مگر ایک اولاد کا تھا الم

کسی بات کا اس کے تھا دل پہ داغ — نہ رکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ

دلوں کا عجب اس کے یہ بھید تھا — کہ اس روشنی پہ یہ اندھیر تھا

وزیروں کو اک روز اس نے بلا — جو کچھ دل کا احوال تھا سو کہا

کہ میں کیا کروں گا یہ مال و منال — فقیری کا ہے میرے دل کو خیال

فقیر اب نہ ہوں تو کروں کیا علاج — نہ پیدا ہوا وارثِ تخت و تاج

جوانی تو میری گئی سب بسر — کہ دورِ پیری ہوئی سربسر

دریغا کہ عہدِ جوانی گذشت — جوانی بگو زندگانی گذشت

بہت تاک میں یہ جہاں کھویا کیا — بہت فکرِ دنیا میں سویا کیا

نہ سمجھے سبب نیستی و ہستی — کہ از فکرِ دنیا و دیں غافلی

وزیروں نے کی عرض کا اے آفتاب — نہ ہو تجھ کو ذرہ کبھی اضطراب

فقیری جو کیجے تو دنیا کے ساتھ — نہیں خوب جانا ادھر خالی ہاتھ

کرو سلطنت لیکن اعمال نیک — کہ تا دو جہاں میں رہے حال نیک

جو غافل ہیں وہ سوچ میں تا کہ رہیں — کہ ایسا نہ ہووے کہ پھر سب کہیں

تو کارِ زمیں را نکو ساختی — کہ بر آسماں نیز پرداختی

یہ دنیا جو ہے مزرعِ آخرت — فقیری میں ضائع کرو اس کو مت

عبادت سے اس کشت کو آب دو — کہ واں جا کے خرمن بھی تیار لو

رکھو یاد عدل و سخاوت کی بات — کہ اس فیض سے ہے تمھاری نجات
مگر ہاں جو اولاد کا ہے یہ غم — سو اس کا تردد بھی کرتے ہیں ہم
عجب کیا کہ ہووے تمھارے خلف — کرو تم نہ اوقات اپنی تلف
نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو — کہ قرآں میں آیا ہے لا تقنطو
بلاتے ہیں ہم اہل تنجیم کو — نصیبوں کو اپنے ذرا دیکھ لو
تسلی تو دے شاہ کو اس نمط — ولے اہل تنجیم کو بھیجے خط
نجومی و رمال اور برہمن — غرض یاد تھا جنکو اس ڈھب کا فن
بلا کر انھیں شہ کنے لے گئے — جو ہیں روبرو سب وہ شہ کے گئے
پڑا جب نظر وہ شہ تاج و تخت — دعا دی کہ ہوں شہ کے بیدار بخت
کیا تھا نہایت سے ٹھہر کر سلام — کہا شہ نے میں تم سے رکھتا ہوں کام
نکالو ذرا اپنی اپنی کتاب — مرا ہے سوال اس کا لکھو جواب
نصیبوں میں دیکھو تو میرے کہیں — کسی سے بھی اولاد ہے یا نہیں
یہ سنکر وہ رمال طالع شناس — لگے کھینچنے زائچے بے قیاس
دھری تختی آگے لیا قرعہ ہاتھ — لگا دھیان اولاد کا اس کے ساتھ
جو پھینکیں تو شکلیں کئی بیٹھیں مل — کئی شکل سے دل گیا ان کا کھل
جماعت نے رمال کے عرض کی — کہ ہے گھر میں امید کی کچھ خوشی
یہ سن ہم سے اس عالموں کے شفیق — بہت ہم نے تکرار کی ہر طریق

بیاض اپنی دیکھی جو اس رمل کی
تو ایک ایک نقطہ ہے فرد خوشی

ہے اس بات پر اجتماع تمام
کہ طالع میں فرزند ہے تیرے نام

زن و زوج کی شکل میں ہے فرح
پیا کرے وصل کا آرزو قدح

نجومی بھی کہنے لگے در جواب
کہ ہم نے بھی دیکھی ہے اپنی کتاب

نحوست کے دن سب گئے ہیں نکل
عمل اپنا سب کر چکا ہے زحل

ستاروں نے طالع کے بدلے ہیں طور
خوشی کا کوئی دم میں آتا ہے دور

نظر کی جو تسدیس و تثلیث پر
تو دیکھا کہ ہے نیک سب کی نظر

کیا پنڈتوں نے جو اپنا بچار
تو پھر انگلیوں پر کیا کچھ شمار

جنم پتر اس شاہ کا دیکھ کر
تلا اور برچھک پہ کر کر نظر

کہا رام جی کی ہے تجھ پر دیا
پتر دیاں سا بالک ترے کا ہوئیگا

نکلتے ہیں اب تو خوشی کے بچن
نہ ہو کر خوشی تو نہیں ہے یہ من

جو ماراج کے ہوں گے مقصد شتاب
کہ آیا ہے اب پانچواں آفتاب

نصیبوں سے لگی آپ کے یاوری
کہ آئی ہے اب پانچویں مشتری

مقرر ترے چاہیے ہو پسر
کہ دیتی ہے یوں اپنی پوتھی خبر

ولیکن مقدر ہے کچھ اور بھی
کہ ہیں اس کے بچپن میں تیرے کو کبھی

یہ لڑکا تو ہوگا ولے کیا کہیں
خطر ہے اسے بارھویں برس میں

نہ آوے یہ خورشید بالائے بام
بلندی سے خطرہ ہے اس کو تمام

نہ نکلے یہ بارہ برس رشک مہ — رہے برج میں یہ مہ چاردہ

کہا سن کے یہ شہ نے آنکھیں تئیں — کہو جی کا خطرہ تو اسکو نہیں

کہا جان کی سب طرح خیر ہے — مگر دشت غربت کی کچھ سیر ہے

کوئی اس پہ عاشق ہو جن و پری — کوئی اس کا معشوق ہو استری

کچھ ایسا کھلا ہے جو قسمت میں اب — خرابی ہو اس پر کسی کے سبب

ہوئی کچھ خوشی شہ کو اور کچھ الم — کہ دنیا میں توام ہے شادی و غم

کہا شہ نے اس پر نہیں اختیار — جو چاہے کرے میرا پروردگار

یہ فرما محل میں درآمد ہوئے — منجم وہاں سے برآمد ہوئے

خدا پر بس اس کو تھا اعتقاد — لگا مانگنے اپنے حق سے مراد

خدا سے لگا کرنے وہ التجا — لگا آپ سجدے میں رکھنے دیا

نکالا مرادوں کا آخر سراغ — لگائی ادھر لو تو پایا چراغ

سنا ہے کرم نے کیا جو اثر — ہوئی کشت امید کی بارور

اسی سال میں بس کہ تھا شاد شہ — رہا حمل اک زوجہ شاہ کو

جو کچھ دل پہ گزرے تھے رنج و تعب — سو بدلی پھرے وہ خوشی ساتھ سب

داستان تولد ہونے شاہزادہ بےنظیر کی

خوشی سے پلا مجھ کو ساقی شراب — کوئی دن میں بجتا ہے چنگ و رباب

کروں نغمۂ تہنیت کو شروع　　کہ اک نیک اختر کرے ہے طلوع

گئے نو مہینے جب اُس پر گذر　　ہوا گھر میں شہ کے تولد پسر

عجب صاحبِ حُسن پیدا ہوا　　جسے مہر و مہ دیکھ شیدا ہوا

نظر کو نہ ہو حُسن پر اُسکے تاب　　اُسے دیکھ بیتاب ہو آفتاب

ہوا وہ جو اُس شکل سے دلپذیر　　رکھا نام اُس کا شہِ بےنظیر

خواصوں نے خواجہ سراؤں نے جا　　کئی نذریں گذرانیاں اور کہا

مبارک تجھے اے شہِ نیک بخت　　کہ پیدا ہوا وارثِ تاج و تخت

سکندر نژاد اور دارا حشم　　فلک مرتبت اور عطارد رقم

رہے اُس کے اقلیم زیرِ نگیں　　غلامی کریں اُس کی خاقانِ چیں

یہ سنتے ہی مژدہ بچھا جانماز　　کئے لاکھ سجدے کہ اے بےنیاز

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار　　نہ ہو تجھ سے مایوس امیدوار

دوگانہ غرض شکر کا کر ادا　　تہیہ کیا شاہ نے جشن کا

وہ نذریں خواصوں کی خوجوں کی لے　　اُنھیں خلعت و زر کا انعام دے

کہا جاؤ جو کچھ کہ درکار ہو　　کہو خانساماں سے تیار ہو

نقیبوں کو بلوا کے یہ کہہ دیا　　کہ نقارخانے میں دو حکم جا

کہ نوبت خوشی کی بجا دیں تمام　　خبر سُنکے یہ شاد ہوں خاص و عام

یہ مژدہ جو پہنچا تو نقارچی　　لگا ہر جگہ بادلہ اور زری

بنا ٹھاٹھ نقار خانے کا سب　　مہیا کر اسباب عیش و طرب
غلاف آن پہ بانات پر زر کے ٹانک　　شتابی سے نقاروں کو سینک سانک
دیا زیر کو پہلے بم سے ملا　　لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا
کہا زیر نے بم سے بہر شگون　　کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں
بجے شادیانے جو واں اُس گھڑی　　ہوئی گرد پیش آ کے خلقت کھڑی
بہم مل کے بیٹھے جو شہنا نواز　　بنا منہ سے پھرکی لگا اُس پہ ساز
سروں پر وہ سرپیچ مخمل کے　　خوشی سے ہوئے گال گل پھول کے
لگے ملنے او پیچیں خوشی سے نئی　　ارانا لگا بجنے اور اُس گھڑی
ٹکوروں میں نوبت کی شادی کی دھن　　سنگھر ٹوٹنے والوں کو کہتے تھے سُن
نرسنگی اور قرنا سے شادی کے دم　　لگے بھرنے زیل اور کھرج میں بہم
سنی جھانجنے جو خوشی کی نوا　　ٹھنکنے لگا تالیوں کو بجا
نئے سر سے عالم کو عشرت ہوئی　　کہ لڑکے کے ہونے کی نوبت ہوئی
محل سے لگا تا بہ ایوان عام　　عجب طرح کا اک ہوا اژدحام
چلے لے کے نذریں امیر و وزیر　　لگے کھینچنے زر کے تودے فقیر
دئے شاہ نے شاہزادے کے ناؤں　　مشائخ کو اور پیرزادوں کو گاؤں
امیروں کو جاگیر لشکر کو زر　　وزیروں کو الماس لعل و گہر
خواصوں کو خوجوں کو جوڑے دئے　　پیادے جو تھے اُن کو گھوڑے دئے

خوشی سے کیا یاں تلک زر نثار | جسے ایک دینا تھا بخشے ہزار
کیا بھانڈوں اور بھگتیوں نے ہجوم | ہوئی آپ سے آپ مبارک کی دھوم
لگا کنچنی چونہ پڑنی تمام | کہاں تک میں لوں بزمکاروں کے نام
جہاں تک کہ سازندے تھے ساز کے | دھنی دست کے اور آواز کے
جہاں تک کہ تھے گائک اور رہتکار | لگے گانے اور ناچنے ایک بار
لگے بجنے قانون و بین و رباب | بہا ہر طرف جو سے عشرت کا آب
لگی تھاپ طبلوں کی مردنگ کی | صدا اونچی ہونے لگی چنگ کی
کماچوں کو سارنگیوں کو بنا | خوشی سے ہر اک اُنگی تریں ملا
رگا موم تاروں پہ منہ چنگ کے | ملا سر طنبوروں کے مردنگ کے
ستاروں کے پردے بنا کر درست | بجانے لگے سب وہ چالاک و چست
گئی بائیں کی آسماں تک گمک | اُٹھا گنبد چرخ سارا دھمک
خوشی کی زبس ہر طرف تھی بساط | لگے ناچنے اس پہ اہل نشاط
کناری کے جوڑے چمکتے ہوئے | وہ پاؤں کے گھنگرو چھنکتے ہوئے
وہ بالے چمکتے ہوئے کان میں | پھڑکنا وہ تھرکنے کا ہر آن میں
وہ گھٹنا وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ | دکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ
کبھی دل کو پاؤں سے مل ڈالنا | نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا
دکھانا کبھی اپنی چھب مسکرا | کبھی اپنی انگیا کو لینا چھپا

کسی کے چمکتے ہوئے نورتن — کسی کے وہ کھڑے پہ نتھ کی پھبن
وہ دانتوں کی مسّی وہ گلبرگ تر — شفق میں عیاں جیسے شام و سحر
وہ گرمی تھی چہرے کی جوں آفتاب — جسے دیکھ کر دل کو ہو اضطراب
چمکنا گالوں کا صفا کے سبب — وہ گردن کے ڈورے قیامت غضب
کبھی منھ کے تئیں پھیر لینا اُدھر — کبھی چوری چوری سے کرنا نظر
دوپٹہ کو کرنا کبھی منھ کے اوٹ — کہ پردے میں ہو جائے دل لوٹ پوٹ
ہر اک تان میں اُن کو ارمان یہ — کہ دل لیجئے تان کی جان پہ
کوئی فن میں سنگیت کے شعلہ رو — برہم جوگ لچھمی سے لئے پہ لو
کوئی ڈھیٹ گت ہی میں پاؤں تلے — کھڑی عاشقوں کے دلوں کو ملے
کوئی دائرے میں بجا کر برن — کوئی دھمے میں جتا اپنا فن
غرض ہر طرح دل کو لینا انھیں — نئی طرح سے داغ دینا انھیں
کبھی مار ٹھوکر کریں قتل عام — کبھی ہاتھ اٹھا لیویں گرتوں کو تھام
کہیں دھرپت اور گیت کا شور و غل — کہیں قول و قلبانہ و نقش و گل
کہیں بھانڈ اور لولیوں کا سماں — کہیں ناچ کشمیریوں کا وہاں
مجیرا اپکھا وج گلے ڈال ڈھول — بجاتے تھے اس جا کھڑے باندھ غول
محل میں جو دیکھا تو اک اژدحام — مبارک سلامت کی تھی دھوم دھام
پری پیکروں کا ہر اک جا ہجوم — وہاں بھی پڑی تھی عیش و عشرت کی دھوم

چھٹی تک غرض تھی خوشی ہی کی بات — کہ دن عید اور رات تھی شب برات

بڑھے ابر ہی ابر میں جوں ہلال — محل میں لگا پلنے وہ نونہال

برس گانٹھ جس سال اسکی ہوئی — دلِ بستگاں کی گرہ کھل گئی

وہ گل جبکہ چوتھے برس میں لگا — بڑھایا گیا دودھ اُس ماہ کا

ہوئی تھی جو کچھ پہلے شادی کی دھوم — اُسی طرح سے پھر ہوا واں ہجوم

طوائف وہی اور وہی راگ رنگ — ہوئی بلکہ دونی خوشی کی ترنگ

وہ گل پانوں سے اپنے جس جا چلا — وہاں آنکھ کو نرگسوں نے ملا

لگا پھرنے وہ سرو جب پانوں پانوں — گئے بردے آزاد تب اُسکے نانوں

داستان تیاری میں باغ کے

مئے ارغوانی پلا ساقیا — کہ تعمیر کو باغ کے دل چلا

دیا شہ نے ترتیب اِک خانہ باغ — ہوا رشک سے جسکے لالہ کو داغ

عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان — لگے جسمیں زربفت کے سائباں

چھتیں اور پردے بندھے زرنگار — دروں پر کھڑی دست بستہ بہار

کوئی دو رستے در پہ اٹکا ہوا — کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا

وہ مقیش کی ڈوریاں سربسر — کہ مہ کا بندھا جس میں تارِ نظر

چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال — نگہ کو وہاں سے گذرنا محال

سنہری مغرّق چھتیں سارباں — وہ دیوار اور در کی گلکاریاں
دیئے ہر طرف آئینے جو لگا — گیا چوگنا لطف اُس میں سما
وہ مخمل کا فرش اُسکا ستھرا کہ بس — بڑھے جسکے آگے نہ پاے ہوس
رہیں کھلتے اُس میں روشن مدام — معطر شب و روز جس سے مشام
چھپر کھٹ مرصّع کا دالان میں — چمکتا تھا اس طرح ہر آن میں
زمیں پر تھی اس طور اُسکی جھپک — ستاروں کی جیسے فلک پر چمک
زمیں کا کروں اُس کی کیا میں بیاں — کہ صندل کا اک پارہ تھا عیاں
بنی سنگ مرمر کی چوپڑ کی نہر — گئی چار سو اُس کے پانی کی لہر
قرینے سے گرد اُسکے سرو سہی — کچھ اک دور دور اُس سے سیب و بہی
کہوں کیا میں کیفیت و انبست — لگا رہیں تاک واں سے پرست
ہوا سے بہاری سے گُل لہلہے — چمن سارے شاداب اور تختے بھرے
زمرد کے مانند سبزے کا رنگ — روش پر جو ابھر لگا جیسے سنگ
روش کی صفائی پہ بے اختیار — گُلِ اشرفی نے کیا زر نثار
چمن سے بھرا باغ گُل سے چمن — کہیں نرگس و گُل کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا — کہیں راے بیل اور کہیں موگرا
کھڑے شاخِ شبّو کے ہر جا نشاں — مدن بان کی اور ہی آن بان
کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار — جدی اپنے موسم میں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں — سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار — ہر اک گل سفیدی سے مہتاب وار
کھڑے سرو کی طرح چینے کے جھاڑ — کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن — عجب رنگ کے زعفرانی چمن
پڑے آب جو ہر طرف کو بہے — کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لب نہر پر جھومنا — اُسی اپنے عالم میں منہ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر — نشے کا سا عالم گلستان پر
لیے ہاتھ میں بیلچے مالنیں — چمن کو لگیں دیکھنے بھالنیں
کہیں تخم پاشی کریں کھود کر — پنیری جما دیں کہیں کھود کر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال — رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لب جو پہ آئینے میں دیکھ قد — اکڑنا کھڑے سرو کا جد و کد
خیاباں صبا صحن میں چار سو — دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قرقرے — لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور — درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور
چمن آتش گل سے دہکا ہوا — ہوا سے سب باغ مہکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول — پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول
وہ [illegible] کی اور مولسریوں کی چھاؤں — لگیں چاہیں آنکھیں لگے جس کا ناؤں

خوشی سے گلوں پر سدا بلبلیں — تعشق کی آپس میں باتیں کریں

درختوں سے لے برگوں کے کھولے ورق — کہ لیں طوطیاں بوستاں کا سبق

سماں قمریاں دیکھ اُس آن کا — پڑھیں باب پنجم گلستاں کا

دوا دائیاں اور مغلانیاں — پھریں ہر طرف اُس میں جلوہ کناں

خواصوں کا اور لونڈیوں کا ہجوم — محل کی وہ چہلیں وہ آپس کی دھوم

تکلف کے پہنے پھریں سب لباس — رہیں رات دن شاہزادے کے پاس

کنیزان مہرو کی ہر طرف ریل — چنبیلی کوئی اور کوئی رائے بیل

رنگیلی کوئی اور کوئی خام روپ — کوئی چت لگن اور کوئی کام روپ

کوئی کیتکی اور کوئی گلاب — کوئی مہر تن اور کوئی ماہتاب

کوئی سیوتی اور ہنس مکھ کوئی — کوئی دل لگن اور تن سکھ کوئی

اِدھر اور اُدھر آتیاں جاتیاں — پھریں اپنے جوبن کو دکھلاتیاں

کہیں اپنے پٹے سنوارے کوئی — اری او رسیلی پکارے کوئی

کہیں چٹکیاں اور کہیں تالیاں — کہیں قہقہے اور کہیں گالیاں

بجاتی پھرے کوئی اپنے کڑے — کہیں واہ وا اور کہیں وا چھڑے

دکھاوے کوئی گوکھرو موڑ موڑ — کہیں سوت لوٹے کہیں تار توڑ

ادا سے کوئی بیٹھی حقہ پیے — دھم دوستی کوئی بھر بھر جیے

کوئی حوض میں جا کے غوطہ لگائے — کوئی نہر پہ پاؤں بیٹھی ہلائے

کوئی اپنے طوطے کی لیوے خبر
کوئی اپنی مینا پہ رکھے نظر

کسی کو کوئی ڈھول مارے کہیں
کوئی جان کو اپنی وارے کہیں

کوئی آرسی اپنے آگے دھرے
ادا سے کہیں بیٹھی کنگھی کرے

مقابہ کوئی کھول مسّی لگائے
لبوں پر دھڑی کوئی اپنے جمائے

ہوا اُن گلوں سے دوبالا سماں
اُسی باغ میں تھا وہ سروِ رواں

غرض لوگ تھے جو یہ ہر کام کے
یہ سب واسطے اُسکے آرام کے

پلا وہ جب اس ناز و نعمت کے ساتھ
پدر اور مادر کی شفقت کے ساتھ

ہوئی اُسکے مکتب کی شادی عیاں
ہوا پھر اُنھیں شادیوں کا سماں

معلّم اتالیق منشی ادیب
ہر اک فن کے اُستاد بیٹھے قریب

کیا قاعدے سے شروع کلام
پڑھانے لگے علم اُس کو تمام

دیا تھا زبس حق نے ذہن رسا
کئی سال میں علم سب پڑھ چکا

معانی و منطق بیان و ادب
پڑھا اُس نے منقول معقول سب

خبردار حکمت کے مضمون سے
غرض جو پڑھا اُس نے قانون سے

لگا ہیئت و ہندسہ تا نجوم
زمیں آسماں میں پڑی اُسکی دھوم

کہے علم تو کیا زباں حرف حرف
اسی نحو سے اُس نے کی عمر صرف

عطارد کو آنے لگی اُس کی ریس
ہوا سادہ لوحی میں وہ خوشنویس

ہوا جبکہ تو خط وہ شیریں رقم
پڑھا کر لکھے سات سے نو قلم

لیا ہاتھ جب خامۂ مشکبار — لکھا نسخ و ریحاں و خط غبار
عروس الخطوط اور ثلث و رقاع — خفی اور جلی مثل خط شعاع
شکستہ لکھا اور تعلیق جب — رہے دیکھ حیراں اتالیق سب
کیا خط گلزار سے جب فراغ — ہوا صفحۂ قطعہ گلزار باغ
کروں علم اس کا کہاں تک عیاں — کہ ہے خوب اب مختصر یہ بیاں
کماں کے جو درپے ہوا بے نظیر — لیا کھینچ چلے میں سب فن تیر
صفائی میں سوفاریکاں کیا — کیا جب کہ تو وہ یہ طوفاں کیا
رکھا چھوٹتے ہی جو لکڑی چمن — کیا اپنے قبضہ میں سب اس کا فن
ہوئیں دست و بازو کی مردانیاں — اڑائیں کئی ہاتھ میں کھلبیاں
رکھا موسیقی پر جو کچھ خیال — کئے قید سب اس نے ہاتھوں میں تال
طبیعت گئی کچھ جو تصویر پر — رکھے رنگ سب اس کے زیر نظر
کئی دن میں سیکھا یہ کسب تفنگ — کہ حیراں ہوئے دیکھ اہل فرنگ
سوا ان کمالوں کے کتنے کمال — مروت کی خو و آدمیت کی چال
رذالوں سے نفروں سے نفرت اسے — سدا قابلوں سے ہی صحبت اسے

گیا نام پر اپنے وہ دلپذیر
ہر اک فن میں سچ مچ ہوا بے نظیر

داستان سواری کی تیاری کے حکم میں

پلا ساقیا مجھ کو اک جام مُل ۔ جوانی پہ آیا ہے ایام گُل
غنیمت شمر صحبت دوستاں ۔ کہ گل پنج روز است در بوستاں
شمر لے بھلائی کا گر ہو سکے ۔ شتابی سے بو لے جو کچھ بو سکے
کہ رنگ چمن پر نہیں اعتبار ۔ ہوا یاں چمن میں ہے خزاں و بہار
پڑی جب گرہ بارھویں سال کی ۔ کھلی گٹھڑی شہ کے جنجال کی
کہا شہ نے بلوا نقیبوں کو شام ۔ کہ ہوویں صبح حاضر سبھی خاص و عام
سواری کی تکلف سے تیار ہو ۔ مہیا کریں جو کہ درکار ہو
کریں شہر کو مل کے آئینہ بند ۔ سواری کا ہو ٹھاٹھ جس سے دو چند
رعیت کے خوش ہوں صغیر و کبیر ۔ کہ نکلے گا کل شہر سے بے نظیر
پھرا محل میں گیا بادشاہ ۔ نقیبوں نے سن حکم لی اپنی راہ
ہوئی شب لیا اس نے جام شراب ۔ گیا چھپ کے مشرق میں آفتاب
خوشی میں گئی جلد شب جو گزر ۔ ہوئی سامنے سے نمایاں سحر
عجب شب تھی وہ جوں سحر رو سپید ۔ عجب صبح تھی مثل روز امید
گیا فرد شب صبح لے ماہتاب ۔ اٹھا سو کے آنکھوں کو ملتا شتاب
کہا شاہ نے اپنے فرزند کو ۔ کہ بابا نہا دھو کے تیار ہو

داستان حمام میں نہانے کی لطافت میں

پلا آتشیں آب بے پیغاں
کہ کھولے مجھے گرم و سرد جہاں

اگر چاہتا ہے مرے دل کو چین
تو دے شتا وہ ساغر جو ہے تلخ تیں

کدورت مرے دل کی دھو ساقیا
ذرا شیشۂ سینہ کو دھو دھوا کے لا

کہ سر گرم حمام ہے بے نظیر
گیا ہے نہانے کو بدر منیر

ہوا جبکہ داخل وہ حمام میں
عرق آ گیا اسکے اندام میں

تپ نازکی سے نم ہوا اس کا گل
کہ جیسے رہے ڈوب کے شبنم میں گل

پرستار باندھے ہوئے لنگیاں
مہ و مہر سے طاس لیکر وہاں

لگیں ملنے اس گلبدن کا بدن
ہوا دُھلا آب سے وہ چمن

نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک
برستے میں بجلی کی جیسے چمک

لبوں پر جو پانی پڑا سر بسر
نظر آئے جیسے وہ گلبرگ تر

ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس
کہے تو پڑی جیسے نرگس پہ اوس

لگا ہونے ظاہر جو اعجاز حسن
ٹپکنے لگا اس سے انداز حسن

گیا حوض میں جب شہ بے نظیر
پڑا آب میں عکس ماہ منیر

وہ گورا بدن اور بال اسکے تر
کہے تو کہ ساون کی شام و سحر

کنگھی سے کھلنا بالوں کا عالم عجب
نہ دیکھی کوئی خوب تر اس سے شب

کہوں اُسکی خوبی کی کیا تجھ سے بات | کہ جوں بھیگتی جائے صحبت میں رات

زمیں پر تھا اِک موجہ نور خیز | ہوا جب وہ فوارہ ساں آبریز

زمرد کی لے ہاتھ میں سنگ پا | کیا خادموں نے جو آہنگ پا

ہنسا کھلکھلا وہ گلِ نوبہار | لیا کھینچ پانوں کو بے اختیار

عجب عالم اُس نازنیں پر ہوا | اثر گدگدی کا جو سب میں ہوا

ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے | ہوئے ہی سے قربان چھوٹے بڑے

دعائیں لگے دینے بے اختیار | کہا خوش رکھے تجھ کو پروردگار

کہ تیری خوشی سے ہے سب کی خوشی | مبارک تجھے روز و شب کی خوشی

نہ آوے کبھی تیری خاطر پہ میل | چمکتا رہے یہ فلک کا سہیل

کیا غسل جب اس لطافت کے ساتھ | اُٹھا لائیں اسے آہستہ ہاتھوں ہاتھ

نہا دھو کے نکلا وہ گل اس طرح | کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح

غرض شاہزادے کو نہلا دھلا | دیا خلعتِ خسروانہ پنہا

جواہر سراسر پنہایا اُسے | جواہر کا دریا بہایا اُسے

کڑے کنگن اور کلغی اور نورتن | کیا ایک سے ایک زیبا بدن

مرصع کا سرپیچ جوں موجِ آب | منور بہ شکلِ رخِ آفتاب

وہ موتی کے مالے بصد زیب و زین | کہیں جسکو آرامِ جاں دل کا چین

جواہر کا تن پر عجب تھا ظہور | کہ اک اک عدد اُسکا تھا کوہِ طور

غرض ہو کے اس طرح آراستہ　　خراماں ہوا سروِ نوخاستہ
نکل گھر سے جسدم ہوا وہ سوار　　کئے خوان گوہر کے اس پر نثار
زبس تھا سواری کا باہر ہجوم　　ہوا جب کہ ڈنکا پڑی سب میں دھوم
برابر برابر کھڑے تھے سوار　　ہزاروں ہی تھی ہاتھیوں کی قطار
سنہری روپہلی وہ عماریاں　　شب و روز کی سی طرحداریاں
چمکتے ہوئے بادلے کے نشاں　　سواروں کی غٹ اور بانوں کی شاں
ہزاروں ہی اطراف میں پالکی　　جھلا بورنی جگمگی نالکی
کہاروں کی زربفت کی کرتیاں　　اور انکے دبے پاؤں کی پھرتیاں
بندھیں پگڑیاں تاش کی سر اوپر　　چکاچوندھ میں جس سے آوے نظر
وہ ہاتھوں میں سونیکے موٹے کڑے　　جھلک جسکی ہر ہر قدم پر پڑے
وہ ماہی مراتب وہ سرو رواں　　وہ نوبت کا دولہ کا جیسے سماں
وہ شہنائیوں کی صدا خوشنما　　سہانی وہ نوبت کی آوے صدا
وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی　　قدم با قدم با لباسِ زری
سجاتے ہوئے شادیانے تمام　　چلے آگے آگے ملے شاد کام
سوار اور پیادہ صغیر و کبیر　　جلو میں تمامی امیر اور وزیر
وہ نذریں کہ جس جسنے تھیں ٹھانیاں　　شہ و شاہزادے کو گذرانیاں
ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار　　چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام ‏ لباسِ زری میں ملبس تمام
طرق کے طرق اور پرے کے پرے ‏ کچھ ایدھر اودھر کچھ درے کچھ پرے
مرصع کے سازوں سے کوتل سمند ‏ کہ خوبی میں روح القدس سے دوچند
وہ فیلوں کی اور میگڈنبر کی شان ‏ جھلکتے وہ منقش کے سائبان
چلے پایۂ تخت کے ہو قریب ‏ بدستور شاہانہ نپٹے عجیب
سواری کے آگے سپاہ اہتمام ‏ لئے سونے روپے کے خاصے تمام
نقیب اور جلودار اور چوبدار ‏ یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار
اسی اپنے معمول و دستور سے ‏ ادب سے تفاوت سے اور دور سے
ہلا تو جوانو بڑھے جائیو ‏ دو جانب سے باگیں لئے آئیو
بڑھے جائیں آگے سے چلتے قدم ‏ بڑھے عمر و دولت قدم با قدم
غرض اس طرح سے سواری چلی ‏ کہے تو کہ بادِ بہاری چلی
تماشائیوں کا جد اٹھا ہجوم ‏ کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھوم
لگا قلعے سے شہر کی حد تلک ‏ دو کانوں پہ تھی بادلے کی جھلک
منڈھے تھے تمامی سے دیوار و در ‏ تمامی تھا وہ شہر سونے کا گھر
کیا تھا زبس شہر آئینہ بند ‏ ہوا چوک کا لطف واں چار چند
رعیت کی کثرت ہجومِ سپاہ ‏ گزرتی تھی رک رک کے ہر جا نگاہ
ہوئے جمع کوٹھوں پہ جوں مرد و زن ‏ ہر اک سطح تھا جوں زمینِ چمن

یہ خالق کی تھی قدرتِ کاملہ تماشے کو نکلی زنِ حاملہ
لگا گنج سے تا ضعیف و نحیف تماشے کو نکلے وضیع و شریف
وحوش و طیوروں تلک سب محل پڑے آشیانوں سے اپنے نکل
نہ پہنچا جو اک مرغِ قبلہ نما سو وہ آشیانے میں تڑپا کیا
زبس شاہزادہ بہت تھا حسیں ہوئے دیکھ عاشق کہیں و کہیں
نظر جس کو آیا وہ ماہِ تمام کیا اُس نے جھک جھک کے اُسکو سلام
دعا شاہ کو دی کہ بارِ الٰہ سدا یہ سلامت رہے مہر و ماہ
یہ خوش اپنے مہ سے رہے شہریار کہ روشن رہے شہر پروردگار
غرض شہر سے باہر اِک سمت کو کوئی باغ تھا شہ کا اُس میں سے ہو
گھڑی چار تک خوب سی سیر کر رعیت کو دکھلا کے اپنا پسر
اسی کثرتِ فوج سے ہو سوار پھر اس شہر کی طرف وہ شہریار
سواری کو پہنچا گئی فوج اُدھر گئے اپنی منزل میں شمس و قمر
جہاں تک کہ تھیں خادمانِ محل خوشی سے وہ ڈیوڑھی تک آئیں نکل
قدم اپنے حجروں سے باہر نکال لیا سب نے آ پہنچوا حال حال
بلائیں لگیں لینے سب ایک بار کیا جی کو یکدست سب نے نثار
گیا جب محل میں وہ سروِ رواں بندھا ناچ اور راگ کا واں سماں
پہر رات تک پہنے پوشاک وہ رہا ساتھ سب کے طربناک وہ

قضارا وہ شب تھی شبِ چار دہ ‏ ‏ پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ
نظارے سے تھا اُسکے دل کو سرور ‏ ‏ عجب عالمِ نور کا تھا ظہور
عجب لُطف تھا سیرِ مہتاب کا ‏ ‏ کہے تو کہ دریا تھا سیماب کا
ہوا شاہزادے کا دل بے قرار ‏ ‏ یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار
کچھ آئی جو اُس مہ کے جی میں ترنگ ‏ ‏ کہا آج کوٹھے پہ بچھّے پلنگ
خواصوں نے جا شاہ سے عرض کی ‏ ‏ کہ شہزادے کی آج یوں ہے خوشی
ارادہ ہے کوٹھے پہ آرام کا ‏ ‏ کہ بھایا ہے عالم لبِ بام کا
کہا شہ نے اب تو گئے دن نکل ‏ ‏ اگر یوں ہے مرضی تو کیا ہے خلل
پر اتنا ہو اُس سے خبردار ہوں ‏ ‏ جنھوں کی ہو چوکی وہ بیدار ہوں
لبِ بام پر جب وہ سوئے صنم ‏ ‏ کریں سورۂ نور کو اُس پہ دم
تمھارا بڑا بول بالا رہے ‏ ‏ یہ اس گھر کا قائم اُجالا رہے
کہا تب خواصوں نے حق سے امید ‏ ‏ یہی ہے کہ ہم بھی رہیں رو سپید
پھریں حکم لے واں سے پھر شاہ کا ‏ ‏ بچھونا وہیں جا کیا ماہ کا
قضارا وہ دن تھا اُسی سال کا ‏ ‏ غلط وہم ماضی میں تھا حال کا
سخن مولوی کا یہ سچ ہے قدیم ‏ ‏ کہ آگے قضا کے ہو احمق حکیم
پڑے اپنے اپنے جو سب عیش بیچ ‏ ‏ نہ سمجھے زمانے کی کچھ اونچ نیچ
یہ جانا کہ یوہیں رہے گا یہ دور ‏ ‏ نہ دریافت تھا اس زمانے کا طور

کہ اس بے وفا کی نئی ہے ترنگ یہ گرگٹ بدلتا ہے ہر دم میں رنگ
کرا بادۂ عیش در جام ریخت کہ بر فرق صبحش نہ صد شام ریخت
نداری تعجب ز نیرنگ دہر کہ آرد ز یک حقہ تریاک و زہر

داستان شاہزادے کے کوٹھے پر سونے کی اور پری کے اُڑا لیجانے کی

شتابی سے اُٹھ ساقیِ سیمبر کہ چاروں طرف ماہ ہے جلوہ گر
بلوریں گلابی میں دے بھر کے جام کہ آیا بلندی پہ ماہِ تمام
جوانی کہاں اور کہاں پھر یہ دن مثل ہے کہ ہے چاندنی چار دن
اگر مے کے دینے میں کچھ دیر ہے تو پھر جانیو یہ کہ اندھیر ہے
وہ سونے کا جو تھا جڑاؤ پلنگ کہ سیمیں تنوں کو ہو جس پر اُمنگ
سراسر ادقچے زری باف کے کہ تھے رشک آئینۂ صاف کے
کھنچی چادر اک اُس پہ شبنم کی صاف کہ ہو چاندنی جس صفا کی غلاف
کسے اُس پہ بینے وہ منقش کے کہ جھبّوں میں تھے جسکے موتی لگے
دھرے اُس پہ تکئے کئی نرم نرم کہ مخمل کو ہو جسکے دیکھے سے شرم
کہاں تک کوئی اُنکی خوبی کو پائے جسے دیکھ آنکھوں کو آرام آئے
وہ گل تکئے اُسکے جو تھے رشک ماہ کہ مہر و مہ تکتی اُن کو خوبی میں راہ

کبھی نیند میں جبکہ ہوتا تھا وہ — تو رُخسار رکھ اُس پہ سوتا تھا وہ
چھپانے سے ہوتا نہ حسن اُسکا ماند — دیئے تھے لگا اُسکے مکھڑے کو چاند
ہوئی دونوں کے حُسن کی ایک جوت — کہ جیسے ہوں دو چشموں کے ایک سوت
زبس نیند میں تھا جو وہ ہو رہا — بچھونے پہ آتے ہی وہ سو رہا
وہ سویا جو اس آن سے بے نظیر — رہا پاسباں اُس کا بدرِ منیر
ہوا اُس کے سونے پہ عاشق جو ماہ — لگا دی اِدھر اُس نے اپنی نگاہ
وہ مہ اُس کے کوٹھے کا ہالہ ہوا — غرض واں کا عالم دو بالا ہوا
وہ پھولوں کی خوشبو وہ ستھرا پلنگ — جوانی کی نیند اور وہ سونے کا رنگ
جہانتک کہ چوکی کے تھے باری دار — ہوا جو چلی سو گئے ایک بار
غرض سب کو واں عالمِ خواب تھا — مگر جاگتا ایک مہتاب تھا
قضارا ہوا اِک پری کا گذر — پڑی شاہزادے پہ اُسکی نظر
بھبھوکا سا دیکھا جو اُس کا بدن — جلا آتشِ عشق سے اُسکا تن
ہوئی لاکھ جی سے وہ اُس پر نثار — وہ تخت اپنا لائی ہوا سے اُتار
جو دیکھا تو عالم عجب ہے یہاں — منوّر ہے سارا زمیں آسماں
دوپٹے کو اُس مہ کے مُنہ سے اُٹھا — دیا گال سے گال اپنا ملا
اگرچہ ہوئی تھی زیادہ ہوس — ولیکن حیا نے کہا اُس کو بس
مۓ عشق میں پھر یہ سوجھی ترنگ — کہ لیجایئے اس کا امانت پلنگ

محبت کی آئی جو دل میں ہوا — وہاں سے اُسے لے اُڑی دلربا
ہوا جب زمیں سے وہ شعلہ بلند — ہوا میں ستارہ سا چمکا دو چند
شبِ مہ میں وہ یوں زمیں سے اُٹھا — چلے تیر جس طرح سے جوش کھا
جلے رشک سے اُسکے شمع و چراغ — کہ اُس مہ کا پہنچا فلاک پر دماغ
غرض لے گئی آن کی آن میں — اُڑا کر وہ اُس کو پرستان میں
کبھی خوش ہے دل اور کبھی دردمند — زمانے کی جیسی ہے پست و بلند

داستان حالت تباہ کرنے ماں باپ کی شاہزادے کے غائب ہونے سے

شتابی مجھے ساقیا دے شراب — کہ یہ حال سُنکر ہوا دل کباب
یہاں کا تو قصہ میں چھوڑا یہاں — ذرا اب سُنو غمزدوں کا بیاں
کروں حال ہجراں زدوں کا رقم — کہ گذرا جُدائی سے کیا اُن پہ غم
کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں — تو دیکھا کہ وہ شاہزادہ نہیں
نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہرو — نہ وہ گُل ہے اُس جا نہ وہ اُسکی بو
رہے دیکھ یہ حال حیران کار — کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی — کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلائی سی پھرنے لگی — کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی

کوئی سر پہ رکھ ہاتھ دلگیر ہو — گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو
کوئی رکھ کے زیرِ زنخداں چھڑی — رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی
رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب — کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب
کسی نے دیئے کھول سنبل سے گال — طمانچوں سے جوں گل کئے سرخ گال
نہ بن آئی کچھ اُن کو اس کے سوا — کہ کہئے یہ احوال اب شہ سے جا
سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر — گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر
کلیجہ پکڑ ماں تو بس رہ گئی — کلی کی طرح سے بکس رہ گئی
ہوا گم جو یوسف پڑی یہ جو دھوم — کیا خادمانِ محل نے ہجوم
کہا شہ نے واں کا مجھے دو پتا — عزیزو جہاں سے وہ یوسف گیا
گئیں لے وہ شہ کو لبِ بام پر — دکھایا کہ سویا تھا وہ سیمبر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا — کہا ہائے بیٹا تو یاں سے گیا
مرے نوجواں میں کہاں جاؤں پیر — نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر
عجب بحرِ غم میں ڈبویا مجھے — غرض جان سے تو نے کھویا مجھے
کروں اس قیامت کا کیا میں بیاں — ترقی میں ہر دم تھا شور و فغاں
لبِ بام کثرت جو یکسر ہوئی — تلے کی زمیں ساری اوپر ہوئی
شب آدھی وہ جسطرح سوتے کٹی — رہی تھی جو باقی وہ روتے کٹی
عجب طرح کی شب تھی ہیہات وہ — قیامت کا دن تھا نہ تھی رات وہ

سحر نے کیا جب گریبان چاک — اُڑانے لگے مِلکے سب سر پہ خاک
اُٹھا شہر میں ہر طرف شور و غل — کہ غائب ہوا اس چمن سے وہ گل
غم و درد سے دل جو سب کا بھرا — ہوا باغ سارا وہ ماتم سرا
گیا جبکہ وہ سرو اس باغ سے — نظر پھول آنے لگے داغ سے
اکڑنا گئے سرو سب اپنا بھول — اُڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول
صدا اب جو کوئی اُنھوں کی سنے — تو کوکو سے اُن کے جگر تک بھنے
ہوئے خشک اور زرد سارے نہال — ثمر تک کے پانوں ہوئے پائمال
ترانے سے بلبل کے جی ہٹ گیا — گلوں کا جگر درد سے پھٹ گیا
تبسم گیا حزن سے غنچہ بھول — ہوا غم سے ازبس لہو پیکے پھول
اُڑا نور نرگس کی آنکھوں کا سب — ہوئے بال سنبل کے ماتم کی شب
لبِ جو سے اُڑنے لگی گرد گرد — گلِ اشرفی کا ہوا رنگ زرد
لگی آگ لالے کے دل کو تمام — دیا خاک میں پھینک عشرت کا جام
پڑا ماتم اُس باغ میں بسکہ سخت — ہوئے نخل ماتم تمامی درخت
کرے غم سے انگور مدہوش ہو — پڑے سارے سائے سیہ پوش ہو
لگے تھے جو پتے درختوں کے ساتھ — وہ ہل ہل کے ملتے تھے آپس میں ہاتھ
وہ لبریز جو نہر تھی جا بجا — سو آنکھوں کو وہ رہ گئی ڈبڈبا
اُچھلتے تھے فوّارے جو اُسکے واں — گیا سب نکل اُسکا تاب و تواں

مژہ پہ جو کچھ اشک تھے جھڑ گئے　　غرض روتے روتے گڑھے پڑ گئے

ہوا حال چشموں کا یاں تک تباہ　　کیا رخت پانی نے اپنا سیاہ

کہاں وہ کنوئیں اور کہاں آبشار　　کوئی دل میں روتے کوئی ڈاڑھ مار

نہ بگلوں کا عالم نہ وہ قرقرے　　نہ وہ آبجوئیں نہ سبزے ہرے

جہاں رقص کرتے تھے طاؤس باغ　　لگے بولنے واں منڈیروں پہ زاغ

سہانی وہ چھائیں جو دلچسپ تھیں　　تو کیا ہو کہ اب دل لگی واں نہیں

منقش جہاں تھے وہ رنگیں مکان　　ہوئے سب وہ جوں دیدۂ خونچکاں

گلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دل　　سو وہ سب خزاں سے ہوئے مضمحل

خزاں کا الم دل میں جو آگیا　　جگر برگ گل کی طرح جھڑ پڑا

نہ غنچہ نہ گل نے گلستاں رہا　　فقط دل میں اک خار ہجراں رہا

وزیروں نے دیکھا جو احوال شاہ　　کہ ہوتی ہے اب اسکی حالت تباہ

کہا گو جدائی گوارا نہیں　　ولیکن جدائی سے چارا نہیں

نہیں خوب اتنا تمھیں اضطراب　　نصیبوں سے شاید ملے وہ شتاب

خدا جانے اب اسمیں کیا بھید ہے　　یہ کہتے ہیں جیتوں کو امید ہے

خدا کی خدائی جو معمور ہے　　غرض اسکے نزدیک کیا دور ہے

نہیں ایک صورت پہ کوئی مدام　　اسی کی غرض ذات کو ہے قیام

یہ کہہ اور شہ کو بٹھا تخت پہ　　بہر نوع رہنے لگے باب دگر

لٹایا بہت باپ نے مال و زر ولیکن نہ پائی کچھ اُس کی خبر

داستان پرستان میں لیجانے کی

مجھے دے کے مے کھوج اُسکا بتا ذرا خضر رہ ہو تو ہی ساقیا
نپائی کہیں یاں تو اُس گل کی بو کروں اب پرستاں میں جا جستجو
اُڑی وہ پری واں سے لیکر اُسے اُتارا پرستاں کے اندر اُسے
وہاں ایک تھا سیر کا اسکے باغ کہ جسکے گلوں سے ہو تازہ دماغ
ریاحین و گل اُس میں انواع کے طلسمات کل اس میں انواع کے
طلسمات کے سارے دیوار و در نہ یاں کے سے کوٹھے نہ یاں کے سے در
مطلا منقش مشبک تمام سنہرا ہو جو ہو دھوپ کا اسمیں نام
گرے چھنکے واں اس لطافت سے دھوپ کہ زردی کا جوں زعفراں پر ہو روپ
نہ آتش کا خطرہ نہ بارش کا ڈر نہ سردی نہ گرمی کا اُس میں خطر
ہرے اور بھرے سب گلوں سے مکاں جہاں چاہئے جا کے رکھدیں وہاں
درخشندہ ہر سقف دالان کی ہو دیوار جیسے چراغان کی
زمیں ساری واں کی جواہر نگار ادھر میں چمن اور ہوا میں بہار
کسی کو ہو جس چیز کا اشتیاق نظر آوے وہ چیز بالائے طاق
جواہر کے ذی روح وحش و طیور خراماں پھریں صحن میں دور دور

پھریں دن میں سارے وہ حیوان ہو | کریں رات میں کام انسان ہو
لگے ہر طرف گوہرِ شب چراغ | وہی دن کو گوہر وہی شب چراغ
بنائے ہوئے جال باہم نہال | گل و غنچہ سب واں کے دور از خیال
صدا آپ سے آپ گھڑیال کی | کہیں ناچ کی اور کہیں تال کی
رہے واں کے حجروں کا جو در کھلا | تو دُنیا کے باجوں کی آئی صدا
وگر بند کر دیجئے ایک بار | تو جوں ارغنوں راگ نکلیں ہزار
مکانوں میں مخمل کا فرش و فروش | بخطِ سلیمانی اُن پر نقوش
طلسمات کے پردے اور چلونیں | ارادے پہ دل کے اُٹھیں اور گریں
خواصیں پری زاد اُس میں تمام | پھریں گرد گرد اُس پری کے مدام
سرِ نہر بنگلہ مرصع نگار | سراپا بہ رنگِ گہر آبدار
رکھا شاہزادے کا اُسمیں پلنگ | کھلا حُسن سے اُسکے بنگلے کا رنگ
قضارا کھلی آنکھ اُس گُل کی جو | نپائی وہاں شہر کی اپنے بو
نہ وہ لوگ دیکھے نہ وہ اپنی جا | تعجب سے اِک اک کو تکتا رہا
اچنبھے کا یہ خواب دیکھا جو واں | لگا کہنے یارب میں آیا کہاں
زبس تھا وہ لڑکا تو سہما بھی کچھ | ہوا کچھ دلیر اور حیراں بھی کچھ
سرہانے جو دیکھی اسے چاردہ | کہ ہے اجنبی سی وہ اک رشک مہ
کہا کون ہے تو یہ کس کا ہے گھر | لے آیا مجھے کون گھر سے ادھر

پھرا مُنہ کو لے اور اُدھر سے نقاب — دیا اُس پری نے یہ ہنسکر جواب

خدا جانے تو کون ہیں ہوں کہاں — مجھے بھی تعجب ہے میں ہوں جہاں

پر اب خود تو آیا ہے یاں میرے گھر — لے آئی ہے تجھ کو قضا و قدر

یہ گھر گو کہ میرا ہے تیرا نہیں — پر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں

ترے عشق نے مجھ کو شیدا کیا — ترا غم مرے دل میں پیدا کیا

چھڑا کر ترا تجھ سے شہر و دیار — یہ بندی ہی لائی ہے تقصیر وار

پری ہوں میں اور یہ پرستان ہے — یہاں سب یہ قومِ نبی جان ہے

کہاں صورتِ جن کہاں شکل انس — غرض قہر ہے صحبتِ غیر جنس

پری کو ہوئی شادی اُس مہ کو غم — پہ ناچار کیا کر سکے وہ صنم

کبھی یوں بھی ہے گردشِ روزگار — کہ معشوق عاشق کے ہو اختیار

غرض دل کو جوں توں لگایا وہاں — کہا اُس نے جو کچھ کہا اُسکو ہاں

ولیکن نہ عقل و نہ ہوش و حواس — رہے وحشیوں کی طرح وہ اُداس

کبھی اشک آنکھوں میں بھر لائے وہ — کبھی سانس لیکر کہے ہائے وہ

وہ محلوں کی چہلیں وہ گھر کا سماں — رہے روبرو دھیان میں ہر زماں

وہ شفقت جو ماں باپ کی یاد آئے — تو راتوں کو رو رو کے دریا بہائے

کبھی اپنی تنہائی کا غم کرے — کبھی اپنے اوپر دعا دم کرے

کرے یاد جب اپنے ناز و نعم — فغاں زیر لب وہ کرے دمبدم

بہانے سے دن رات سویا کرے ۔ نہ ہو جب کوئی تب وہ رویا کرے
غرض اضطراب اُس کو ہر حال ہیں ۔ کہ جوں مرغ تڑپے نیا جال ہیں
غرض ماہ رُخ اُس پری کا تھا نام ۔ پدر سے کیا تھا یہ پوشیدہ کام
کبھی رہتی گھر میں کبھی رہتی واں ۔ کہ تا راز اُس کو نہ ہووے عیاں
وہ پریوں میں ازبسکہ تھی ذی شعور ۔ نئی چیز لاتی تھی اُس کے حضور
عجائب غرائب پرستان کے ۔ دکھاتی تھی ہر شب اُسے آن کے
نئے کھانے اور میوے اقسام کے ۔ مہیّا سب اسباب آرام کے
نئی کشتیاں روز پوشاک کی ۔ خوشامد صدا جان غمناک کی
نئے سوانگ وُ انکے نئے راگ و رنگ ۔ کہ تا دل لگے اور نہ ہو جی تنگ
شرابوں کے شیشے چُنے طاق ہیں ۔ گزک وہ کہ نکلے نہ آفاق ہیں
شراب و کباب و بہار و نگار ۔ جوانی و مستی و بوس و کنار
نہ تھا اور غم کچھ تو اُس کو وہاں ۔ بجز ازغمِ دوریِ دوستاں
اسی غم میں گھل گھل کے مرتا تھا وہ ۔ سدا شمع ساں آہ کرتا تھا وہ
پری وہ جو تھی دل لگائے ہوئے ۔ وہ بیٹھی تھی اُس کو اُڑائے ہوئے
وہ تھی نازنیں تھی بہت عقلمند ۔ نہ کھلنے سے کچھ اسکے ہوتی تھی بند
کہا ایک دن اُس نے اے بینظیر ۔ مرے دام میں تو ہوا ہے اسیر
تو اک کام کر اِک پہر بھر کہیں ۔ کیا کر ٹک اِک سیر روئے زمیں

تو رک مرک کے کر اپنے جی کو نہ بند
نہ پہنچے کہیں تیرے جی کو گزند

سر شام جاتی ہوں میں باپ پاس
اکیلا تو رہتا ہے اس جا اُداس

یہ گھوڑا تو کل دونگی کل کا تجھے
ولیکن یہ دے تو پچلکا مجھے

کہ گر شہر کی طرف جاوے کہیں
و یا دل کسی سے لگاوے کہیں

تو پھر حال ہو جو گنہگار کا
وہی حال ہو تجھ سے دلدار کا

کہا کیونکہ میں تم کو جاؤنگا بھول
مجھے جو کہا تم نے سب ہے قبول

کہا ماہرخ نے کہ تجھے تیرے بخت
کہ بخشا تجھے میں سلیمانؑ کا تخت

جو اُترے تو کل اُسکی یوں جوڑیو
جو برعکس چاہے تو وو ں موڑیو

زمیں سے لگا اور تا آسماں
جہاں چاہیو جائیو تو وہاں

داستان گھوڑے کی تعریف میں

کہوں کیا میں اُس اسپ کی خوبیاں
پرندوں میں کب ہوں یہ محبوبیاں

ذرا کل کو موڑے فلک پر ہوا
جو کہئے تو کہئے اُسے بادپا

نہ کھاوے نہ پیوے نہ سووے کبھی
نہ ٹاپے نہ بیمار ہووے کبھی

نہ غشری نہ کمزی نہ شب کور وہ
نہ وہ کہنہ لنگ اور نہ منہ زور ہو

نہ ہڈوں کا نہ موتڑوں کا خلل
نہ پیشانی اور پرستارے کا بل

نہ ساپن نہ ناگن نہ بھونرے کا ڈر
ہر اک عیب سے وہ غرض بیخطر

یہ گھوڑا جو اُس کل کی تھا بخش کا — فلک سیر تھا نام اُس رخش کا
سرِ شام وہ بے نظیرِ جہاں — اُسی رخش پر ہو کے جلوہ کناں
ہر اک طرف سے ہو گذرتا تھا وہ — وہی اک پہر سیر کرتا تھا وہ
پھر جبکہ بجتا تو پھرتا شتاب — کہ پھر قہر تھا ماہرخ کا عتاب

داستان وارد ہونا بے نظیر کا باغ میں بدر منیر کے

کدھر ہے تو اے ساقیِ شوخ رنگ — کہ آیا ہوں میں بیٹھے بیٹھے بہ تنگ
پلا مجھ کو وارو کوئی تیز تند — کہ ہوتا چلا ہے مرا ذہن کند
مرے توسنِ طبع کو پر لگا — مجھے یاں سے لے چل فلک پر اُڑا
سُنو ایک دن کی یہ تم واردات — اُٹھا سیر کو بے نظیر ایک رات
ہوا ناگہاں اُس کا اِک جا گذر — سُہانا سا اِک باغ آیا نظر
سفید ایک دیکھی عمارت بلند — کہ تھی نور میں چاندنی سے دو چند
وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جابجا — وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا
وہ نکھرا فلک اور مہ کا ظہور — لگا شام سے صُبح تک وقت نور
یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ — اُتر اپنے گھوڑے سے اور سر جُھکا
لگا جھانکنے اُس مکاں کے تئیں — کہ دیکھوں تو یاں کوئی ہے نازنیں

جو دیکھا تو ایسا کچھ آیا نظر — کہ سب کچھ گیا اُسکے جی سے اُتر

کہا جی سے اب تو جو کچھ ہو سو ہو — ذرا چل کے اس سیر کو دیکھ تو

یہ کہہ نیچے اُترا دبے پاؤں وہ — نظر سے بچائے ہوئے چھاؤں وہ

الگ کھول ہاتھوں سے دانکے کواڑ — چلا سایہ سایہ درختوں کے آڑ

تھے اِک طرف گنجان باہم درخت — کہ لپٹے ہوں جس طرح مشتاق سخت

لگا واں سے چھپ چھپکے کرنے نظر — درختوں سے جوں ماہ ہو جلوہ گر

جو دیکھی تو صحبت عجب ہے وہاں — عجب چاندنی ہے عجب ہو سماں

عجب صورتیں اور طرفہ محل — چلا دیکھتے ہی دل اُس کا مکل

ملی جنس کی اپنے جو اُس کو بو — لگا تکنے حیرت سے ہر ایک سو

نظر آئی واں چاندنی کی بہار — کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار

در و بام یک لخت سارے سپید — ہر اک طاق محراب صبح امید

مغرّق زمیں پر تمامی کا فرش — جھلک جسکی لے فرش سے تابعرش

زمیں کا طبق آسماں کا طبق — سنہرے روپہلے ہوں جیسے ورق

بلوریں دھرے ہر طرف سنگ فرش — کہ جس سے منور ہے رنگ فرش

گئی اُس کے عالم پہ جس دم نگاہ — اور آئی نظر اُس میں اک رشک ماہ

طرح اُسکی ہر دل کے مانوس تھی — کہ گویا وہ شیشے کی فانوس تھی

کہیں دیکھ اُسکے تئیں ہوشمند — پری کو کہا ہیگا شیشے میں بند

پھر اک سمت واں نور کا اژدحام
لگے آئنے قد آدم تمام

لپیٹے ہوئے بادلوں سے درخت
زمین و ہوا صاحب تاج و تخت

طنابیں وہ چوپڑ کی یا سبزہ نہر
پڑے سبزہ زار سے جیسے لہر

لب نہر پر صاف چوکور کی
کہ پٹری تھی وہ ایک بلور کی

پڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے
ہوا بیچ موتی سے لٹتے ہوئے

مقرنس پڑا اس میں منقش رکھے
گرا ماہ واں رشک سے چیر کے

اسے گو منقش چھوٹے بڑے
ہر اک جا ستارے سے اڑادیں ٹکڑے

غرض اپنی صورت سے تاروں کو توڑ
زمیں کو فلک کا بنایا تھا جوڑ

ہوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم
ملیں جاوے گو زمیں پر قدم

فقط چاندنی میں کہاں طور یہ
کہ ظلمت نہ جب تک سکے اور یہ

زمانہ زر افشاں ہوا زر فشاں
زمیں سے لگا تا سما زر فشاں

گل و غنچہ زرین و تاج و خروس
زمیں جس سے جیسے بنا عروس

خراماں زری پوش ہر ماہ وش
کریں دیکھ کر جس کو مہ پیکر غش

کھڑا ایک نمگیرہ زرنگار
کہ جس کی جھالر پہ موتی نثار

جڑاؤ دو استادے الماس کے
ڈھلے ایک سانچے کے اک راس کے

کھنچی ڈوری اک طرف زرتار کی
لڑی جس کی کناری کے پھول ہار کی

کہوں کیا میں جھالر کی اسکی پھبن
کہ سورج کے ہو گرد جیسے کرن

مشرق تلک تھی سند اک جھلکی | کہ تھی چاندنی جسکے قدموں لگی
نہ پھولے سماتے تھے تکیے و مسہرے | کہ تھے وہ فقط حسن ہی سے بھرے
بلوریں صراحی و جام بلور | دل و دیدہ وقف تماشائے نور
زمیں نور کی آسماں نور کا | جدھر دیکھو اودھر سماں نور کا
چمن سارے واں دودیوں سے سجے | جواثان شبو کے ہر جا پڑے
ستاروں کا مہتاب میں جال پڑے | کہ جیسے کہ پانی میں قطرے ہوں جمے
اگر کیجیے سایہ اوپر نگاہ | تو ہے وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ
کرے جب نگہ جس طرف کو گذر | بجز نور آتا نہیں کچھ نظر
کروں کون سے حسن کو انتخاب | ہر اک آئینے میں وہی ماہتاب
نظر جس طرف جائے نزدیک و دور | اسی ایک مہ کا ہے ہر جا ظہور
نکل اپنی وحدت سے کثرت میں آ | وہی نور ہے جلوہ گر جا بجا
تنک رنگ سے ہر طرف ماہتاب | وہی ایک نکتہ کہ جسکی کتاب
حقیقت کی لیکن بصارت بھی ہو | کہ دیکھے نہ اسکے سوا غیر کو

داستان تعریف بدر منیر اور عاشق ہونا بینظیر کا

گلابی مرے سامنے ساقیا | مے چار دہ کو دکھا کر پلا
کہ دیکھے سے جسکے ہو دل کو سرور | نظر کام کر جائے نزدیک و دور

کروں اُس مکاں کے مکیں کا بیاں — کہ ہے بعد خاتم نگیں کا بیاں
وہ مسند جو تھی موج دریائے حسن — وہاں دیکھی اک مسند آرائے حسن
برس پندرہ ایک کا سن و سال — نہایت حسین اور صاحب جمال
دیئے کہنی تکیہ پہ اک ناز سے — سر نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصیں کھڑی ادھر اودھر تمام — ستاروں کا جوں ماہ پر اژدحام
وہ بیٹھی تھی یہ دھج بنائے ہوئے — دل اُس چاندنی پر لگائے ہوئے
ادھر آسماں پر درخشندہ مہ — اودھر یہ زمیں پر مہِ چاردہ
پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں — لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں
نظر آئے اتنے جو اک بار چاند — زمانے کے مُنہ کو لگے چار چاند
عجب طرح کا حُسن تھا جانفزا — کہ مہ روبرو جسکے تھا تھفت الہٰ
کروں اُس کی پشواز کا کیا بیاں — فقط ایک پشواز آب رواں
زبس موتیوں کی تھی سنجاف لگی — کہے تو وہ بیٹھی تھی موتی میں تل
اور اک اوڑھنی جوں ہوا یا حباب — جسے دیکھ شبنم کو آوے حجاب
صباحت صفا اُسمیں جھلکی ہوئی — پڑی سر سے کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی
گریباں تھا تکمہ اک الماس کا — ستارہ تھا مہتاب کے پاس کا
وہ کرتی وہ انگیا جوا ہر نگار — نیا باغ اور ابتدا کی بہار
جھلک پائجامہ کی دامن سے یوں — کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں

صفائی پہ پوشاک کی دیکھیو   نظر سوچ میں ہے کہ میلی نہ ہو
وہ ترکیب اور چاند سا وہ بدن   وہ بازو پہ ڈھلکے ہوئے نورتن
جڑاؤ وہ بالے کہ بالے کا رشک   وہ موتی کے مالے کہ عاشق کا اشک
وہ آنکھوں کی مستی وہ مژگاں کی نوک   کرنپھول کی اور بالے کی جھوک
وہ موتی کا دولڑا وہ موتی کا ہار   سدا اشک غمدیدہ جس پر نثار
لگا دھکدھکی پچلڑا ست لڑا   سراسر گلے حسن اُس کے پڑا
جڑاؤ دمکتی وہ چمپا کلی   رہے جس سے الماس کو بیکلی
تلے اُس کے موتی لگے گرد گل   کہ جوں شبنم آلودہ ہو برگ گل
جہانگیریوں کا کروں کیا بیاں   کہ اُٹھتی تھی ہاتھوں سے جس کی فغاں
جواہر سے پہنے کی ہیکل جڑی   کمر اور کولے کے نیچے پڑی
فقط موتیوں کی پڑی پائے زیب   کہ جس کے قدم سے گھڑی پائے زیب
کسی کے کہاں ہاتھ وہ پاؤں آئے   جواہر جہاں پاؤں پڑ پڑ کے جائے
سراپا اگر ہو زباں میرا تن   سراپا میں اُس کے کروں کیا سخن
سب اعضا بدن کے موافق دُرست   ہر اک کام میں اپنے چالاک چست
جہاں راستی چاہئے راستی   کجی جس جگہ چاہئے واں کجی
وہ مکھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھائے   وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے
جو کچھ چاہئے ٹھیک نک سک سے انگ   نزاکت بھرا سیوتی کا سا رنگ

کچھ اک تمکنت اور کچھ اک بانکپن غرض ہر طرح میں انوکھی پھبن

کرشمہ ادا غمزہ ہر آن میں غرض دلبری اس کے فرمان میں

تغافل حیا ناز و غمزہ غرور ہر اک اپنے موقع پہ وقت ضرور

تبسم تکلم ترحم ستم موافق ہر اک حوصلے کے کرم

وہ ابرو کہ محراب ایوان حسن تجلی شاخ نخل گلستان حسن

نگہ آفت و چشم عین بلا مژہ وہ جو عقلوں کو الٹا برملا

در گوش جب آسکا تابندہ ہو صدف کا دل صاف شرمندہ ہو

وہ بینی کہ جس کی نہیں کچھ نظیر سہے انگشت قدرت کی سیدھی لکیر

وہ رخسار نازک کہ ہو جائے لال اگر اس پہ بوسہ کا گذرے خیال

نہیں رطب یابس کا یاں کچھ حساب بیاض گلو سب کے سب انتخاب

وہ ساعد وہ بازو وہ بھرے گول گول برابر ہو الماس سے جس کا مول

وہ دست حنا بستہ خوبی کا باب شفق میں ہو جوں پنجہ آفتاب

زمیں شکل آئینہ تھا اس کا تن کہے تو کہ تھی ناف عکس ذقن

کمر کو کہوں کیونکہ میں اس کی ہیچ نہ آوے نظر تو ہے قسمت کا پیچ

وہ زانو کہ آجائے گر اس پہ ہاتھ رہے عمر بھر ہاتھ زانو کے ساتھ

وہ ساق بلوریں وہ انداز پا پھرے ہے سحر چشم و دل میں سدا

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام قیامت کرے جھک کو جھک کر سلام

وہ اٹکھیلیاں اور وہ اسکی چال ۔ کہ دل جس سے عالم کا ہو پائمال
بنا کبک کیسی ہی گو چال لائے ۔ کہاں پر وہ رفتار کو اسکی پائے
بھلا کبک چال اس کی کیونکر چلے ۔ یہ انداز سب اسکے پاؤں تلے
عجب پشت پا صاف انگشت پا ۔ کف پا دکھاوے سر پشت پا
معرق جو اس پر ہے اک جفت کفش ۔ تو وہ مفت پا بلکہ پا مفت کفش
یہ قدرت کا دیکھا جو اس نے نہال ۔ کہا شاہزادے نے یا ذوالجلال
درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہال ۔ کسی کی نظر جا پڑی تا کہاں
جو دیکھے تو ہے ایک جوان حسین ۔ درختوں کی سہہ اوٹ میں مہ جبیں
یہ چرچا جو پھیلا تو غل باہر ہوا ۔ ہر اک جال سے آ کے ماہر ہوا
ہنسیں ایک سے ایک کے لال سب ۔ پھریں برگ گل کی طرح غنچہ لب
جو دیکھیں تو نقشا سا روشن ہے کچھ ۔ درختوں کا روشن سا آنگن ہے کچھ
کسی نے کہا کچھ نہ کچھ ہے بلا ۔ کسی نے کہا چاند ہے یاں چھپا
کسی نے کہا ہے پری یا کہ جن ۔ کسی نے کہا ہے قیامت کا دن
لگی کہنے اکتا کوئی اپنا کوٹ ۔ ستارا پڑا ہے فلک سے ٹوٹ
ہوئی صبح شب کا گیا اٹھ حجاب ۔ درختوں میں نکلا ہے یہ آفتاب
کسی نے کہا دیکھیو آکے تو آ ۔ کھڑا ہے کوئی صاف یہ مردوا
کسی نے کہا یہ تو دلدار ہے ۔ کسی نے کہا کچھ یہ اسرار ہے

یہ آپس میں باتیں جو ہونے لگیں — اشاروں سے گھاتیں جو ہونے لگیں
گئی بات یہ شاہزادی کے گوش — یہ سنتے ہی جاتا رہا اُس کا ہوش
کہا میں تو دیکھوں یہ کہہ کر اُٹھی — گیا سنسنا جی تو رہ کر اُٹھی
خواصوں کے کاندھے پہ رکھ اپنا ہاتھ — عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ
کچھ اک خوف سے ہول کھاتی ہوئی — دھڑک اپنے دل کی مٹاتی ہوئی
کئی ہمدمیں تھیں جو کچھ وہ پڑھیں — دعائیں وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں
گئیں جب وہ کر کے دل اپنا کرخت — وہاں جس جگہ تھے وہ باہم درخت
جو دیکھیں تو ہے اک جوانِ حسیں — کھڑا ہے وہ آئینہ سا مہ جبیں
سرکنے کی واں سے نہ جا نہ ٹھاؤں — دیئے حیرتِ عشق نے گاڑ پاؤں
برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن — جوانی کی راتیں مرادوں کے دن
نئی پشت لب سے مسی کی نمود — جسے دیکھ نیلا ہو چرخِ کبود
گلے میں پڑا نیمہ شبنم کا ایک — بدن سے عیاں نورِ عالم کا ایک
تمامی کی سنجاف جلوہ کناں — کہ چوں عکس مہ زیبِ آبِ رواں
طرحدار اک سر پہ پھینٹا سجا — تمامی کا پٹکا کمر سے بندھا
عجب پیچ پر پیچ بیٹھے تھے مل — کہ ہر پیچ پر پیچ کھاتا تھا دل
جواہر کا تکمہ گلے میں بندھا — ستارہ ہو جوں صبح کا جگمگا
وہ موتی کا لٹکن زمرد کی ہڑ — لٹک جس کی زیبندہ دستار پر

وہ گورا بدن صاف ترکیب وار — بھریں ڈنڈ پر نور تن کی بہار
اک الماس کی ہاتھ انگشتری — سراسر حنا دست پا میں لگی
عیاں چستی و چابکی گات سے — نمودِ جوانی ہر اک بات سے
بدن آئینہ سا دمکتا ہوا — گلِ باغ خوبی لہکتا ہوا
اکڑ زلف کی اور کاکل کا بل — جوانی کی شب اور سماں بر محل
قیافے سے ظاہر سراپا شعور — جبیں پر برستا شجاعت کا نور
ولے عشق کی تیغ کھائے ہوئے — کھڑا دل کسی پر لگائے ہوئے
یہ عالم جو دیکھا تو غش کر گئیں — وہ جتنی کہ آئی تھیں سب مر گئیں
شتابی سے جا کر کہا واں کا حال — کہ اے شاہزادی صاحب کمال
عجب سیر ہے سیر مہتاب میں — یہ عالم تو دیکھا نہیں خواب میں
کہے سے ہمارے نہ مانو گی تم — جو دیکھو گی آنکھوں تو جانو گی تم
اٹھا پائے گلگوں کو جلدی نگار — نہ جائے کہیں ہاتھ سے یہ بہار
نہیں اور کچھ تم نہ کچھ ہراس — چلی آؤ تم ان درختوں کے پاس
گئی اس جگہ جب وہ بدرِ منیر — اور اس نے جو دیکھا شہِ بے نظیر
گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل — نظر سے نظر جی سے جی دل سے دل
غرض بے نظیر اور بدرِ منیر — گرے دونوں آپس میں ہو کر اسیر
رہی کچھ نہ تن من کی شدھ بدھ انہیں — نہ کچھ اپنے تن کی رہی شدھ انہیں

موباف زری نے کیا ہے غضب — دیا ہے گرہ دن کو دنبال شب

سنگاروں میں وہ سب گو ہے اُتار — پہ کہتے ہیں چوٹی کا اُس کو سنگار

نہ ہو کیونکہ چوٹی کا رتبہ بڑا — کہ اک نور ہے اُس کے پیچھے پڑا

گل و سنبل اُس پر سے قربان ہے — کہ اُسکی لٹک میں عجب آن ہے

لڑی تھی زبس سحر سے اُسکے ساٹھ — شب و روز کو دے رکھا اُسنے گانٹھ

وہ لے ہاتھ آتا ہے اُس کا کٹھن — کہ ہے فی الحقیقت وہ کالے کا من

اُلٹ کر نہ دیکھے اُسے ہوشیار — کہ وہ اک ستارہ ہے دنبالہ دار

وہ پیٹھ اُسکی شفاف آئینہ سال — تس اوپر وہ چوٹی کا پڑنا وہاں

کہوں اُسکے عالم کا کیا ماجرا — کہ جوں ہووے دریا پہ کالی گھٹا

بگڑی تھی دلوں سے زبس اُسکی مانگ — بہت دل لئے اُسکی کنگھی نے مانگ

دل عاشق اُس پر سے قربان ہے — کہ مشاطہ کا سر پہ احسان ہے

کشاکش میں تھا ورنہ جیسا تو پیچ — [illegible] کو رکھا اُس نے دنبالہ ہی پیچ

غرض حسن کا اُسکے ہے سب پہ [illegible] — جو چاہے کہے وہ سیاہ و سفید

کرے شرح جو کوئی اُس میں موباف — کرے نہ قبول دل اپنا اُس کو معاف

کیا قتل گو اُس نے دل کو تو کیا — شفق کا نہیں کام پر خوں بہا

کہاں تک کہوں اُس کی چوٹی کی بات — کہ تھوڑا ہے سوانگ اور بڑی ہے یہ رات

دیا شعر کو گرچہ ہے بار طول — ولیکن یہ ہو عرض میری قبول

بہت موشگافی جو کی میں نے یاں
گھٹانے کی جاگہ نہ تھی درمیاں

تس اوپر جو پوری نہ بیٹھی مثال
ہوئی ہے مری فکر مجھ پر وبال

اب اس پیچ سے باہر آتا ہوں میں
سماں ایک تازہ دکھاتا ہوں میں

غرض وہ مڑی جب دکھا اپنے بال
تو گویا کہ مارا محبت کا جال

ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی
چھپا منہ کو اور مسکراتی چلی

غضب منہ پہ ظاہر وسے دل میں چاہ
نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ

یہ ہے کون کم بخت آیا یہاں
میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں

یہ کہتی ہوئی آن کی آن میں
چھپی جا کے اپنے وہ دالان میں

دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب
چھپا ابر تاریک میں آفتاب

کہ اتنے میں آئی وہ دختِ وزیر
لگی ہنس کے کہنے کہ بدرِ منیر

مجھے جو چلے تو خوش آتے نہیں
ترے نازِ بیجا یہ بھاتے نہیں

مری طرف ٹک دیکھ تو ہائے ہائے
مثل ہے کہ من بھائے منڈیا ہلائے

کیا ہے اگر تو نے گھائل اسے
تو مت چھوڑ اب نیم بسمل اسے

ٹک اک حظ اٹھا زندگانی کا تو
مزا دیکھ اپنی جوانی کا تو

مئے عیش کا جام اب نوش کر
غمِ دین و دنیا فراموش کر

یہ حسن و جوانی یہ جوش و خروش
غفور است ایزد تو ساغر بنوش

کہاں یہ جوانی کہاں یہ بہار
یہ جوبن کا عالم رہے یادگار

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں / گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

سبھی یوں تو دنیا کے ہیں کاروبار / ولے حاصل عمر ہے وصل یار

خوشا وہ زمانہ کہ دو اک جگہ / کریں بیٹھ کر جلوۂ مہر و مہ

کہاں چاہ والے ہیں یوسف عزیز / ارے باولی چاہ میں کر تمیز

ترے گھر میں آیا ہے مہماں غریب / یہ ہے واردات عجیب و غریب

شتابی سے مجلس کو تیار کر / تو اس گل سے گھر رشک گلزار کر

بلا ساقیانِ گل اندام کو / نگہ ساتھ گردش میں لا جام کو

شب و روز پی مل کے جامِ شراب / مہ و مہر کو رشک سے کر کباب

یہ سن سن کے وہ نازنیں مسکرا / لگی کہنے اچھی بھلا ری بھلا

میں سمجھی ترا دل گیا ہے اُدھر / بہانے تو کرتی ہے کیوں مجھ پہ دھر

لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ ماہوش / ہوئی تھی اُسے دیکھ میں ہی تو غش

تمھیں نے تو چھڑکا تھا مجھ پر گلاب / بھلا میری خاطر بلا لو شتاب

یہ آپس میں رمزوں کی باتیں ہوئیں / اشاروں کی باہم جو گھاتیں ہوئیں

بلا لائی جا اُس جواں کے تئیں / کیا میزباں میہماں کے تئیں

بلا اک مکاں میں بٹھایا اُسے / محل کا سماں سب دکھایا اُسے

پھر اُس نازنیں نے پکڑا اس کا ہاتھ
بٹھایا ہی لا آخر اُس گل کے ساتھ

داستان ملاقات کرنا بدر منیر کا بینظیر سے

پلا ساقیا مجھ کو صہبائے عیش — ملی ہے نصیبوں سے یاں جائے عیش
بہم مل کے بیٹھے ہیں دو رشک ماہ — قران مہ و مہر ہے اس جگہ
ہر اک برج رشک گلستاں ہے آج — بہار وصال غریباں ہے آج
بزور اس کو لاکر بٹھایا وہاں — نپوچھو اس گھڑی کی ادا کا بیاں
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے — بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے — لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے
پسینا پسینا ہوا سب بدن — کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب — رہے شرم سے پائے بند حجاب
اکھڑوں کے رکے بیٹھنے سے خفا — ہوئی دل میں اپنے وہ نجم النسا
گلابی کو لا اس کے آگے دھرا — پیالے کو پھر جلد اس نے بھرا
کہا شاہزادی کو بیٹھی ہے کیا — یہ پیالہ تو اس بت کے منہ سے لگا
ذرا میری خاطر سے ہنس بول تو — لب لعل شیریں کو ٹک کھول تو
میں صدقے ترے تجھ کو میری قسم — کئی ساغر اس کو پلا دم بدم
یہ دیکھ اسکی منت پیالہ اٹھا — ادھر سے پھرا منہ کو اور مسکرا
کہا بادہ نوشی سے ہو جسکو ذوق — پیئے یہ پیالہ نہیں اسکا شوق

کہا شاہزادے نے ہنس کر کے یوں — چھپاں ہیں کسی سے یہ خوش [illegible] یوں

غرض ہو گئے آپس میں راز و نیاز — ہنسے دل سے باہم [illegible] امتیاز

پھر آخر کو شہزادے نے کی التجا — پیالہ بھر الا دیا اس کو دیا

جب آپس میں چلنے لگے جام مل — ہنسے غنچہ ساں دل کھلے مثل گل

ہوئی بادہ گر کچھ تو تفتیش حال — لگے ہونے آپس میں قال و مقال

کھلا بند جیں دم [illegible] گفتگو — جواں نے حقیقت کہی مو بمو

کہی ابتدا سے جو گزری تھی سب — جتایا سب اپنا حسب اور نسب

پری کا بھی احوال تھا جو کہا — نہ کچھ راز سے اس کو ظاہر کیا

کہا اک پہر کی ہے رخصت مجھے — زیادہ نہیں اس سے فرصت مجھے

یہ سن دل ہی دل بیچ کھا پیچ و تاب — دیا شاہزادی نے اس کو جواب

مرو تم پری پر وہ تم پہ مرے — بس اب تم ذرا مجھ سے پیچھے پھرے

ہیں اس طرح کا دل لگانا نہیں — یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں

عبث تم نے دل کو لگایا کوئی — بھلا جیسے دل کو جلاوے کوئی

یہ شمع ساں کیوں کوئی اشک سے — جلے کس لئے آتش رشک سے

یہ سن پاؤں پر گر پڑا بے نظیر — کہا کیا کروں آہ بے تدبیر

کوئی لاکھ جی سے ہو مجھ پر فدا — میں تجھ پر فدا ہوں مجھے اس سے کیا

کہا چل سر اپنا قدم پر نہ دھر — کسی کے مجھے جی کی کیا ہے خبر

یہ رمز و کنائے جو ہونے لگے — تو آپس میں ہنس ہنس کے رونے لگے
رہی دل ہی دل میں غرض دل کی بات — پہر بھر گئی اتنے عرصے میں رات
خبر رات کی سن اٹھا بے نظیر — کہا اب میں جاتا ہوں بدر منیر
اگر قید سے چھوٹنے پاؤں گا — تو پھر آج کے وقت کل آؤں گا
یہ مت سمجھیو ہوں میں آرام میں — کروں کیا پھنسا ہوں عجب دام میں
دل اس جا سے اٹھنے کو کرتا نہیں — کوئی آپ سے جان مرتا نہیں
کرم مجھ پہ رکھیو ذرا میری جان — میں دل چھوڑے جاتا ہوں اپنا یہاں
یہ کہہ اس طرف وہ روانہ ہوا — دل اس طرف اس کا دوانہ ہوا
گیا اپنے معمول سے بے نظیر — ادھر کا ہوا قید ادھر کا اسیر
پری ساتھ کاٹی وہ جوں توں کی رات — اٹھا صبح ملتا ہوا اپنے ہات
سماں شب کا آنکھوں میں چھایا ہوا — مزہ دل میں سارا سمایا ہوا
اٹھے جو کوئی وصل کا دیکھ خواب — نہ ہو وصل اور دل کو ہو اضطراب
نئی باتوں کا لطف پانا غضب — وہ پہلے پہل دل لگانا غضب
تعلق دل پہ یعنی کٹے روز و شب — دکھائے منہ شمع شب افروز کب
محبت میں زلف سیہ فام کی — لگا دیکھنے راہ پھر شام کی
وہ دن ہجر کا اس پہ شامت ہوا — اسے کاٹنا دن قیامت ہوا
ادھر کا تو احوال تھا اس طرح — کہا میں نے کر مختصر جس طرح

ذرا اب سنو تم اُدھر کا بیاں ہوا طرف ثانی کا کیا حال واں

وہ شب اُس کو اندوہ و غم میں کٹی گھڑی جو کٹی سو الم میں کٹی

رہی صورت آنکھوں میں جو یار کی ہوئی یاد میں صبح رخسار کی

کچھ امید دل میں کچھ اک دل کو یاس لبوں پہ ہنسی لیک چہرہ اُداس

لگا اُس کو باتوں میں نجم النسا لگی کہنے جی چاہتا ہے مرا

کہ تو آج کر خوب اپنا سنگار مجھے حُسن کی اپنے دکھلا بہار

لگی کہنے چل رہی دوانی نہ ہو کوئی چیز اپنی بیگانی نہ ہو

کروں کس کی خاطر میں اپنا سنگار وہ ہے کون جسکو دکھاؤں بہار

غرض شاہزادی بہت دور تھی یہ شکل اُسکو پہلے ہی منظور تھی

نہا دھو کے اُس روز ایسی بنی کہ وہ دن کی سج سچ ہو جیسی بنی

وہ مکھڑے کا عالم وہ کنگھی کا رنگ شب ماہ ہو دیکھ کر جس کو دنگ

وہ مسّی وہ اسکے لب لعل فام سواد دیار بدخشاں کی شام

وہ آنکھوں کا عالم وہ کاجل غضب کہے تو پڑی نرگستاں میں شب

ستم تیسپہ سرمے کی تحریر سی کھنچی ہاتھ کافر کے شمشیر سی

لکھوٹا وہ پانوں کا مسّی کے ساتھ کہ جوں دامن شب شفق کے ہو ہاتھ

وہ پشواز اک ڈانگ کی جگمگی ستاروں کی جھپتی آنکھ جس پہ لگی

اور اک اوڑھنی خالی مقیش کی پڑی چاندنی سی مہ عیش کی

جو دیکھے وہ انگیا جواہر نگار　　فرشتے ملے ہاتھ بے اختیار
وہ باریک کرتی شال ہوا　　عیاں مو بمو جسمیں تن کی صفا
ڈنک ایک ٹیپے کی اُبھری ہوئی　　گلابی سی گرد ایک تہ دی ہوئی
مغرق زری کا وہ شلوار بند　　ثریا سے تابندگی میں دو چند
پڑی پائنوں میں کفش زریں نگار　　ستاروں کی جسکی زمیں پہ بہار
لگا پاسے وہ تا زمیں تا بفرق　　سراپا جواہر کے دریا میں غرق
گُندھی ہوئی وہ ترکیب اور وہ بدن　　وہ پوشاک و زیور کی اُس پھبن
وہ چھب تختی اُس کی نزاکت نہاد　　چمن زار قدرت میں نخل مراد
بھری مانگ موتی سے جلوہ کناں　　نمایاں شب تیرہ میں کہکشاں
وہ ماتھے پہ ٹیکی کی اُسکی جھلک　　سحر چاند تاروں کی جیسے چمک
ہوس ہو نہ دیکھ اُسکے زیور کو پھر　　کہے تو کہ ٹیکا تھا سب اُسکے سر
وہ بالے کی تابندگی زیر گوش　　جسے دیکھ اُڑ جائیں بجلی کے ہوش
وہ ہیرے کا نگہ بصد آب و تاب　　وہ صبح گلو مطلع آفتاب
وہ تکے پہ چمپا کلی کی پھبن　　کہ سورج کے آگے ہو جیسی کرن
وہ چھاتی پہ الماس کی دھکدکی　　رہے آنکھ سورج کی جس پر جھپکی
وہ موتی کے مالے لٹکتے ہوئے　　رہیں دل جہاں سر پٹکتے ہوئے
وہ الماس کی ہیکل اک خوشنما　　تصور رہے جسکا دل سے لگا

وہ بھجبند بازو کے اور نورتن — کہ جوں گل سے ہو شاخ زیبِ چمن
وہ پہنچی زمرد کی اور دستبند — نزاکت میں تھی شاخِ گل سے دوچند
وہ لعلوں کی پازیب آویزہ دار — سدا اشکِ خونیں ہو جس پر نثار
وہ مینے کے پاؤں میں چھلّے تھے گل — کہ آنکھوں سے دل اُن پہ کھاتے تھے گل
وہ بالوں کی بو رشکِ مشکِ ختن — وہ ڈوبا ہوا عطر میں اُس کا تن
زمیں سے معطر ہوا تا فلک — زمانہ گیا اُس کی بو سے مہک
کیا اس طرح سے جب آ سنگار — ہوئے مہر و مہ آ کے منہ پر نثار
فلک تک گئی حسن کی اُس کے دھوم — لیا ہاتھ مشاطہ نے اپنا چوم
خواصوں نے گھر کو دیا انتظام — تمامی کے پردے لگائے تمام
بچھا فرش اور کر چھپرکھٹ کو صاف — مرصع کا اُس پر اڑھا کر غلاف
وہ نرگس کے دستے جو آفاق میں — نہ نکلیں سوا گلدستے طاق میں
ولایت کے میوے دھرے ہر طرف — کہ بیجا ہے بو اُنکی گل پر شرف
دھرے تحفے خاص ایوان میں — ہوا ہو گئی عطر دالان میں
دھریں کیاریاں اک طرف بیشمار — چنی اک طرف ڈالیوں کی قطار
اچار اور مربے دھرے خوشنما — وہ باہر کے دالان میں جا بجا
چھپرکھٹ کے پاس ایک مسند بچھا — اور اُس پر تمامی کے تکیے لگا
چنگیریں بنا اور رکھ پاندان — قرینے سے اس میں رکھے ہار پان

کئی عطر داں واں مرصع دھرے | انوکھی گڑھت کے کئی چوگھڑے
سرہانے مجلّد دھری اک کتاب | ظہوری نظیری کا کُل انتخاب
دھری اک بیاض اور رشکِ چمن | پر از شعر سودا و میر حسن
قلمدان بھی اک نزاکت بھرا | قرینے سے زیرِ چھپر کھٹ دھرا
دھرا اک طرف گنجفہ خوش قماش | دھری چوپڑ اک طرف کو غم تراش
بچھی ایک چوکی پڑا تورہ پوش | کریں دیکھ کر غش جسے بادہ نوش
صُراحی و ساغر شراب و کباب | دھرا اُس پہ ساقی نے کر انتخاب
و لے اُس کو رکھا چھپائے ہوئے | کہ چھوٹے نہیں مُنہ لگائے ہوئے
کہا خاصہ پر کو خبردار کر | کہ رکھیو تو خاصے کو تیار کر
یہ سب کچھ ہوا جب کہ آراستہ | خراماں ہوا سروِ نوخاستہ
سرِ شام لے ہاتھ میں اک چھڑی | ولیکن چھڑی وہ کہ جگنو جڑی
روش پر لگی پھرنے ادھر اُودھر | کہ چھپ جائے سورج اُسے دیکھکر

داستان بے نظیر کے آنے کی اور باہم صحبت کرنے کی

پلا مجھ کو ساقی شراب وصال | کہ اب ہجر سے تنگ ہے میرا حال
تڑپتا اُودھر تھا جو وہ بے نظیر | ہوئی شام بارے تو چھوٹا اسیر

پر اُس نے بھی اتنا تکلّف کیا
کہ اک دن میں جوڑے کو دھانی رنگا

تمامی کی سنجاب سیکر دُرست
بنا جلد جلد اور بہن تنگ و چست

پہن لعل و یاقوت کے نورتن
وہ گل اس طرح ہو کہ رشکِ چمن

فلک سبز پہ ہو شتابی سوار
ہوا آسمان پر ہوا ایک بار

یکایک جو وارد ہوا اُس جگہ
کہ جس جا خراماں تھی وہ رشکِ مہ

نظر نازنیں کی جو اُس پر پڑی
ہوئی جا درختوں کے اوجھل کھڑی

کیا چھپکے عالم پہ جو اس نے دھیان
تو دیکھا عجب رنگ سے وہ جوان

کہ دھانی ہے جوڑا گلے میں پڑا
چھپا سبزے میں چاند سا ہے کھڑا

کہے تو کہ شب چاند نے آن کے
نکالا ہے منہ کھیت سے دھان کے

وہ حُسن اور پوشاک اور وہ شباب
زمرد میں جوں جلوۂ آفتاب

سماں دیکھ اُس شعلۂ حُسن کا
ہوئی اور جلنے کی دونی ہوا

خواصیں جو تھیں ہٹ گئیں جا بکے
کہا ایک ہمراز نے آن کے

کہ اب کس طرف ان کو لیجایئے
جہاں حکم ہو جا کے بٹھلایئے

کہا وہ جو آراستہ ہے مکاں
اِدھر سے تو وو ں ہو کے لیجا وہاں

کہے کے بموجب اُٹھا کر نقاب
چھپا اُس کو واں لا اُٹھا لا شتاب

وہ بیٹھا جو خلوت میں آ بے نظیر
اور ایدھر سے آئی جو بدرِ منیر

اُسے دیکھ اُس نے [illegible] نقش کیا
[illegible] عشق کیا

زبس حوصلے نے جو تنگی سی کی — حیا عشق نے خانہ جنگی سی کی
پکڑ ہاتھ مسند پہ کھینچا اُسے — محبت کے رشتہ سے اینچا اُسے
لگی کہنے ہے ہے مرا چھوڑ ہاتھ — یہ گرمی ہے جس سے رہے آپکے ساتھ
تڑپتا ہے کب سے پڑا میرا دل — ذرا کھول آغوش اور مجھ سے مل
غرض آخرش بصد راز و نیاز — وہ مسند پہ بیٹھی بصد امتیاز
ہوا پھر تو جیسا کہ گلگوں کا دور — ہوئے اور ہی اور کچھ واں کے طور
ہوئے جبکہ بدمست وہ ماہ رو — لگی اُن میں ہونے عجب گفتگو
کر دستے جو نرگس کے واں تھے ہزار — لگے ڈھانپنے آنکھ بے اختیار
خواصیں جو تھیں روبرو ہٹ گئیں — بہانے سے ہر کام کے ہٹ گئیں
غرض رفتہ رفتہ وہ مدہوش ہو — چھپرکھٹ میں لیٹے ہم آغوش ہو
لیا کھینچ آنکھوں نے جو پردہ شتاب — چھپے ایک جا دو مہ و آفتاب
لگی ہونے بے پردہ جو چھیڑ چھاڑ — در حسن کے کھل گئے دو کواڑ
لگے پینے باہم شراب وصال — ہوئے نخل امید سے وہ نہال
لبوں سے ملے لب دہن سے دہن — دلوں سے ملے دل بدن سے بدن
لگی آنکھ سے آنکھ خوشحال ہو — گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو
لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ — چلے ناز و غمزے کے آپس میں ہاتھ
کسی کی گئی چولی آگے سے چل — کسی کی گئی چین ساری نکل

غم و درد دامن کشیدہ ہوئے — وہ گل نا رسیدہ رسیدہ ہوئے
اُٹھے پی کے باہم شرابِ امید — کوئی سرخرو اور کوئی رو سپید
چھپر کھٹ سے باہر رکھا اپنے قدم — نکل آئے بھرتے محبت کا دم
نشہ سے وہ لذّت کے بیہوش ہو — گئے بیٹھ مسند پہ خاموش ہو
عرق میں ادھر غرق وہ مہ جبیں — گئے آنکھ نیچی اُدھر نازنیں
یہ بیٹھے تھے خوش ہو کے باہم ادھر — کہ اٹھے ہیں اودھر سے باجا پہر
پہر کے وہ بجتے اُٹھا بے نظیر — ہوئی غم کی تصویر بدرِ منیر
نہ بولی نہ کی بات نے کچھ کہا — نہ دیکھا اُدھر آنکھ اپنی اُٹھا
کہا تجھ سے پیاری نہ بیزار ہو — پھر آؤں گا بولی کہ مختار ہو
خفا اُسکے ہونے سے وہ نوجواں — گیا تو وے منہ پہ آنسو رواں
ہوئے دل جو دونوں کے آپس میں بند — لگے ہجر سے دل پہ آنے گزند
بندھا پھر تو معمول اُس کا مدام — کہ ہر روز آنا اُدھر وقتِ شام
پھر رات تک ہنستا اور بولتا — درِ حسن اور عشق کو کھولتا

کبھی ہجر سے اُن کے ہونا ملول
کبھی وصل میں بیٹھنا پھول پھول

داستان خبر پانا ماہرخ کا زبانی دیو کے عشق بینظیر اور بدر منیر سے اور قید کرنا بینظیر کو

پلا جلد ساقی مجھے بھر کے جام
کہ ہے چرخ بھی درپئے انتقام

یہ وہ دل کو یک جا بٹھاتا نہیں
کسی کا اُسے وصل بھاتا نہیں

یہ ہے دشمن وصل و دلسوز ہجر
کرے ہے شب وصل کو روز ہجر

جدائی اُنھوں کی خوش آئی اُسے
پھر اتنی بھی صحبت نہ بھائی اُسے

کسی دیو نے دی پری کو خبر
کہ معشوق عاشق ہوا اور پر

یہ سُنکر وہ شعلہ بھبھوکا ہوئی
لگی کہنے ہیں یہ بلا کیا ہوئی

قسم مجھ کو حضرت سلیمانؑ کی
ہوئی دُشمن اب اُسکی میں جان کی

کہا دیو سے دے مجھے تو بتا
کہا وہ کسی باغ میں تھا کھڑا

کوئی نازنیں سی تھی اِک اُسکے ساتھ
کھڑی تھی دیئے ہاتھ میں اُسکے ہاتھ

قضارا اُڑا میں جو ہو کر اُدھر
وہ دونوں مجھے واں پڑے تھے نظر

یہ اُڑتی سی اُس کو خبر سُن پڑی
کہا دیکھنے پاؤں اُس کو ذری

تو کھا جاؤں کچا اُسے موت ہو
لگی ہے مری اب تو وہ سوت ہو

وہ آوے تو آگے مرے نابکار
گریبان اُس کے کروں تار تار

یہی قول و اقرار تھا میرے ساتھ
بھلا اُسکا دامن ہے اور میرا ہاتھ

ہمارے بزرگوں نے سچ ہے کہا — کہ ہے آدمی زاد کل بے وفا
غضبناک بیٹھی تھی یہ تو اُدھر — کہ اتنے میں آیا وہ رشکِ قمر
اُسے دیکھ غصے میں وہ ڈر گیا — کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا
بلا سی وہ دیکھ اُسکے پیچھے پڑی — کہا سُن تو اے موذی و مدعی
تجھے سبز کو میں نے گھوڑا دیا — کہ اُس مالزادی کو جوڑا دیا
الگ ہم سے یوں بہنا اور چھوٹنا — یہ اور یہ ہی اوپر مزے لوٹنا
مچلکا دیا تھا نہ تو نے یہی — بھلا اُس کا بدلہ نہ لوں تو سہی
پھرا جیسے راتوں کو دلشاد تو — کرے گا دنوں کو بہت یاد تو
مزہ چاہ کا دیکھ اپنی ذرا — جھکاتی ہوں کیسے کنوئیں رہ بھلا
تجھے جی سے ماروں تو کیا ہے عجب — ولے چاہتے تھے یہ تیرے نصیب
کہ چاہِ الم میں پھنساؤں تجھے — ہنسا ہے تو جیسا رُلاؤں تجھے
یہ کہہ اور بلا اک پریزاد کو — کہا سنیو اس کی نہ فریاد کو
اِسے کھینچتا یاں سے لیجا شتاب — وہ صحرا جو ہے درد و محنت کا باب
کنواں اس میں جو ہے مصیبت بھرا — کئی من کا پتھر ہے اُس پر دھرا
اسے جا کے اُس چاہ میں بند کر — وہی سنگ پھر اُسکے مُنہ پر تو دھر
سرِ شام کھانا کھلانا اُسے — اور اک جام پانی پلانا اُسے
نہ دیجیو سوا اس کے جو کچھ کہے — یہی اُس کا معمول دائم رہے

یہ سن دیو اُس گل کے نزدیک آ — پکڑ ہاتھ اُس کا فلک پر اُڑا
گری اُس پہ جو آسمانی بلا — دل اُس نازنیں کا ہوا ہو چلا
ہوا یوں جو اُس سخت واژوں کا اوج — چلی آہ و نالے کے ساتھ اُسکے فوج
کہا دل یہ رتبہ جو کچھ آج ہے — یہی عشق کی جان معراج ہے
کیا بند پھر جا کے اُس چاہ میں — کنواں وہ جو تھا قاف کی راہ میں
وہ یوسف کنوئیں میں ہوا جبکہ بند — ہوا اُس سے پستی کا رتبہ بلند
کھلے اُس کنوئیں کے یکایک نصیب — کہ آیا وہ اس میں مہ دلفریب
منور وہ گھر اُسکا سارا ہوا — کنوئیں کی وہ پتلی کا تارا ہوا
وہ اندھا پڑا تھا سو روشن ہوا — جواں اُس میں جیوں سانپ کا من ہوا
ولے پاؤں جب اُسکا تہ پر گیا — کنواں اُسکے اندوہ سے بھر گیا
زمیں میں سمایا تحیر سے آب — گئے سوکھ آنسو کنوئیں کے شتاب
ہوا واں سے اوپر گئی کانپ کانپ — کنوئیں نے لیا سنگ سے منہ کو ڈھانپ
دل اُس نازنیں کا دھڑکنے لگا — جگر ٹکڑے ہو کر پھڑکنے لگا
اندھیرے اُجالے نہ نکلا تھا جو — ہوا قید آ اُس اندھیرے میں وہ
نکلنے کی سوجھی نہ واں اُسکو راہ — ہوا اُسکی آنکھوں میں عالم سیاہ
اندھیرے نے اُسکا کیا دم خفا — کہ جوں لے سیاہی کسی کو دبا
فغاں کی بہت اور پکارا بہت — سر اپنے کو ہر طرف مارا بہت

پکارا وہ جس تس کو فریاد کر — نہ پہنچا کوئی کارواں بھی اُدھر

نہ مونس نہ غمخوار اُس کا کوئی — نہ تھا جز خدا یار اُس کا کوئی

وہی چاہ تاریک اُسکا رفیق — وہی سنگ سر پر تھا بے شفیق

ہوا بھی نہ واں جس سے دمساز ہو — کنویں کی سنے کون آواز کو

کنواں ہی مدام اُس کا ہمدم ہے — جو اُس سے سنے وہ ہی اُس سے کہے

کنواں اُسکو پوچھے وہ پوچھے اُسے — اندھیری سوا کچھ نہ سوجھے اُسے

سیاہی میں جیسے ہو کافر کا دل — صعوبت میں اُس سے جہنم خجل

نہ شب کی سیاہی نہ واں انکا نور — سدا ظلمت غم کا اُس جا ظہور

غم و درد و الفت کو کھا کھا جیے — لہو پانی اپنا کنویں میں پیے

اس اندھیر کو کیا لکھوں اب میں آہ — قلم کے نکلتے ہیں آنسو سیاہ

نہ تھا وہ کنواں تھا ستونِ الم — نشانِ شبِ آفت و درد و غم

کروں مختصر یاں سے اب غم کی بات — لگا رہنے اُس میں وہ آبِ حیات

نہیں مخلصی سوجھتی اب اُسے — نکالے خدا دیکھئے کب اُسے

پھنسا اس طرح سے جو وہ بے نظیر — پڑی بیقراری میں بدرِ منیر

بہم دو دلوں میں جو ہوتی ہے چاہ — تو ہوتی ہے دل کے تئیں دل سے راہ

قلق واں جو گذرا تو یاں غم ہوا — رُکا جی وہاں یاں خفا دم ہوا

کئی دن نہ آیا جو وہ رشکِ مہ — نظر میں ہوا اُس کے عالم سیہ

لگی کہنے نجم النسا سے بوا / خُدا جانے اُس شخص پر کیا ہوا
کہا اُس نے بی تمکو سودا ہے کچھ / وہ معشوق ہے اُسکو پروا ہے کچھ
خدا جانے کس شغل میں لگ گیا / مری چڑھ ہے اتنا بھی ہونا فدا
وہ رہ رہ کے تم کو دلاتا ہے چاہ / عبث آپ کو مت کرو تم تباہ
رُکے جو کوئی اُس سے رُک جائیے / جھُکے آپ سے وہ تو جھُک جائیے
تفول بھلا کچھ نکالا کرو / ذرا آپ کو تم سنبھالا کرو
یہ سُن چُپ رہی دل میں کھا پیچ و تاب / دیا پھر نہ اس بات کا کچھ جواب
گئے اس پہ جب دن کئی اور بھی / بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی
دِوانی سی ہر طرف پھرنے لگی / درختوں میں جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب / لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
تپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی / دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگی
خفا زندگانی سے ہونے لگی / بہانے سے جا جا کے سونے لگی
تپ غم کی شدت سے وہ کانپ / اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ
نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا / نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جہاں بیٹھنا پھر نہ اُٹھنا اُسے / محبت میں دن رات گھُٹنا اُسے
کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو / تو اُٹھنا اُسے کہہ کے ہاں جی چلو
جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے / تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے

کسی نے جو کچھ بات کی بات کی | یہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی
کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے | کہا خیر بہتر ہے منگوائیے
کسی نے کہا سیر کیجئے ذرا | کہا سیر سے دل ہے میرا بھرا
جو پانی پلانا تو پینا اُسے | غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے
نہ کھانے کی سُدھ اور نہ پینے کا ہوش | بھرا اُسکے دل میں محبت کا جوش
چمن پر نہ مائل نہ گل پر نظر | وہی سامنے صورت آٹھوں پہر
نہفتہ اُسی سے سوال و جواب | سدا رو برو اُس کے غم کی کتاب
جو آجائے کچھ ذکر شعر و سخن | تو پڑھنا یہ دو تین شعر حسن

غزل

یہ کیا عشق آفت اُٹھانے لگا | مرے دل کو مجھ سے چھڑانے لگا
بلا میرے دلبر کو مجھ سے خدا | نہیں تو مرا جی ٹھکانے لگا
گنہ چشم خونبار کا کچھ نہیں | مرا دل ہی مجھ کو ڈبانے لگا
فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا | کہ جسکے عوض یوں رُلانے لگا

نہیں مجھ کو دشمن سے شکوہ حسن
مرا دوست مجھ کو ستانے لگا

غزل یا رباعی و یا کوئی فرد | اسی ڈھب سے پڑھنا کہ ہو جس میں درد
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں | نہیں تو کچھ اس کی بھی خواہش نہیں

سبب یہ کہ دل سے تعلق ہے سب ۔۔۔ نہ ہو دل تو پھر بات کیسی ہے غضب
گیا ہے جب اپنا ہی جوڑا نکل ۔۔۔ کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

داستان بدر منیر کے غم و اندوہ کی اور عیش بائی کے بلانے کا

گلابی ہیں غنچے کے مجھ کو شتاب ۔۔۔ پلا ساقیا کیسی تلخی کی شراب
پیالے ہیں نرگس کے دے میری جاں ۔۔۔ کہ دیکھوں میں کیفیت بوستاں
حکایت کروں ایک دن کی رقم ۔۔۔ کہ دنیا میں توام ہے شادی و غم
اٹھی سوتے اک دن وہ رشک پری ۔۔۔ ذرا جا کے دیکھوں چمن کو ذری
مگر غنچہ ساں کچھ کھٹکے میرا دل ۔۔۔ کہ غم سے گیا ہے نپٹ مضمحل
زبس گل سے آتی ہے بو یار کی ۔۔۔ ہوا کچھ ہوئی اس کو گلزار کی
پھر اک دن ہوا یہ کہ منہ ہاتھ دھو ۔۔۔ چلی اٹھ کے دالان سے سیر کو
زمرد کا مونڈھا چمن پر بچھا ۔۔۔ وہ بیٹھی عجب آن سے دلربا
کہ زانو پہ اک پاؤں کو دھر لیا ۔۔۔ اور اک پاؤں مونڈھے سے لٹکا دیا
نہ پوچھ اسکے پائے نگاریں کا حال ۔۔۔ زبان ثنا وصف میں جسکے لال
کفک اور فندق سے لالہ کو داغ ۔۔۔ نہ ہوا ایسی کیفیت پائیں باغ
طلائی کڑے اور کفک کا وہ رنگ ۔۔۔ سنہری شفق جسکو ہو دیکھ دنگ
جواہر کے چھلے بھرے پور پور ۔۔۔ زری کی ٹکی جیسے مخمل پہ قور

زمیں سوتی اُٹھی تھی وہ نازنیں — پڑی تھی عجب ڈھب سے چیں بر جبیں
خماری وہ انکھیاں وہ انگڑائیاں — وہ جوبن کے عالم کی سرسائیاں
جوانی کا موسم شروع بہار — وہ سینے سے اُسکے کچوں کا اُبھار
لٹکتے ہیں وہ آ کے حسن کے سیٹھنا — وہ چھپ تختی اپنی کو دیکھ اینٹھنا
خواص ایک حقہ لئے تھی کھڑی — کہ لالے کی بتی تھی اُس میں پڑی
وہ شیشہ کا حقہ مرصع کا کام — مغرق زری کا وہ نیچہ تمام
وہ لے ایک اُس پہ پڑا تھا یہ پیچ — یہ سب اُسکے آگے تھا گویا کہ ہیچ
لب نازک اوپر وہ مہنال دھر — نکالے تھی پردے سے دودِ جگر
اِدھر اور اُدھر ہر طرف تھی نگاہ — کسی کی کوئی جیسے تکتا ہو راہ
خواصیں کھڑی اُسکے سب گرد و پیش — جو تھیں اپنے عہدے پہ حاضر ہمیش
کوئی مورچھل لے کوئی پیکدان — کوئی لے چنگیر اور کوئی ہار پان
رسیلی چھبیلی بنی ٹھنک و چست — لباس اور زیور سے ہر اک درست
کھڑی نیچی آنکھیں کئے با ادب — اِسی شرم سے پر قیامت غضب
وہ آنکھیں کہ کرتی تھیں جیدھر نگاہ — اُدھر غش میں آتے تھے سب بھول کاہ
کئی ہمدم اُس کی جو تھیں ماہرو — بچھائے ہوئے کرسیاں سو بسو
برابر برابر اِدھر اور اُدھر — وہ گرد اُسکے بیٹھی تھیں باہمدگر
سماں اُس گھڑی کا کہوں کیا میں آہ — ستاروں میں تھا جلوہ گر ایک ماہ

عجب حُسن تھا باغ میں جلوہ گر — کہ ہر گُل کی تھی اُسکے مُنہ پر نظر

چمن اُس گھڑی پر سرِ جوش تھا — گُل و غنچہ جو تھا سو بیہوش تھا

زبس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی — دو بالا ہر اک گُل کی خوبی ہوئی

معطر ہوا اور گُل کا دماغ — کہ مہکا تمام اُسکی خوشبو سے باغ

پڑا عکس اُس کا جو طرفِ چمن — ہوا لالہ گُل اور گُلِ نسترن

درختوں پر اُسکی پڑی جو جھلک — زمرد کو دی اور اُس نے چمک

ہوئی اُسکے بیٹھے سے گلشن کو زیب — گیا اُڑ صبا کا بھی صبر و شکیب

چمن نے جو اُس گل کی دیکھی بہار — ہوا دیکھ اپنے گلوں کو فگار

گل و غنچۂ و لالہ آپس میں مل — لگے کہنے اس باغ کا ہے یہ دل

گئی جی سے بُلبل کے گلشن کی چاہ — ہوئی سرو کی طرح قمری کو آہ

ہوئے واں سے آئینہ دیوار در — وہ مہ جسکے دل میں ہوئی جلوہ گر

کہ اتنے میں کچھ جی میں جو آگیا — ادا سے لگی کہنے وہ دل رُبا

اری ہے کوئی یاں ذرا جائیو — مری عیش بائی کو لے آئیو

عجب وقت ہے اور عجب ہے سماں — کرے دو گھڑی آکے مجرا یہاں

خفا ہوں مرا جی تو مشغول ہو — کوئی دم تو داغِ جگر پھول ہو

کسی طرح سے دل تو لگتا نہیں — جلے ہے جگر دل سلگتا نہیں

یہ سُنتے ہی دوڑی گئی ایک نگار — لیا عیش بائی کو اُس نے پکار

وہ آنے لگی کافر اس آن سے — کہ جانے لگا جی مسلمان سے
عجب چال سے وہ چلی ناز نیں — کہ مستی میں پاؤں کہیں کا کہیں
وہ خلقت کی گرمی وہ ڈرمن پنا — نشے میں بھبھوکا سا چہرہ بنا
لٹیں منہ پہ چھوٹی ہوئیں سربسر — کہ بدلی ہو جوں مہ کے ادھر اودھر
وہ بن پوچھے ہونٹوں کی مسّی غضب — کہ منہ پہ تھی گویا قیامت کی شب
فقط کان میں ایک بالہ پڑا — کہے تو کہ تھا مہ کے ہالہ پڑا
وہ پشواز اگرئی وہ نرگس کے ہار — وہ کمخواب کے بندروے ازار
بندھا سر پہ جوڑا پڑی زرد شال — کمر کی لچک اور مٹک کی وہ چال
وہ شبنم کی انگیا بنی تنگ چست — کناروں پہ مینا بنت کا درست
وہ اٹھی ہوئی چین پشواز کی — وہ مسکی ہوئی چولی انداز کی
وہ مہدی کا عالم وہ توڑے چھڑے — وہ پاؤں میں سونے کے دو دو کڑے
چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی — کڑے سے کڑے کو بجاتی ہوئی
عجب ایک عالم تھا بیساختہ — کہ عالم تھا اک اس پہ دل باختہ
کئی کافریں اور بھی دل نواز — لئے ساتھ ساتھ اُسکے سب اپنا ساز
چلیں ایک اغماز اور ناز سے — کھڑی واں ہوئیں ایک انداز سے
روش پر جو تھا فرش اُسکے حضور — ادب سے وہاں بیٹھیاں ٹلکے دور
ہوا حکم گوری کا جو برملا — لئے ساز اپنے سبھوں نے اٹھا

دیا آسماں پر جو طبلوں کو کھینچ
ہر اک نقاب میں دل لیا سب کا اینچ

لگی گانے ٹپہ وہ اس آن سے
نکلنے لگی جان ہر تان سے

عجب تال پڑتی تھی انداز سے
کہ بیکل تھی ہر تال آواز سے

وہ تھی کٹکری یا لڑی نور کی
مسلسل تھی اک پھلجھڑی نور کی

گُل و غنچہ کی طرح محبوب تھی
کھُلی اور مُندی دل کی مرغوب تھی

غرض کیا کہوں اُس کا میں ماجرا
عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہوا

وہ گانے کا عالم وہ حُسنِ بیاں
وہ گلشن کی خوبی وہ دن کا سماں

گھڑی چار دن باقی اُس وقت تھا
سُہانا ہر اک طرف سایہ ڈھلا

درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ
وہ دھانوں کی سبزی وہ سرسوں کا روپ

لپیٹے ہوئے پوستوں پر تمام
رو پہلے سُنہرے ورق صبح و شام

وہ لالے کا عالم ہزارے کا رنگ
وہ آنکھوں کے ڈورے نشے کا ترنگ

گلابی سا ہو جانا دیوار و در
درختوں سے آنا شفق کا نظر

وہ چادر کا چھُٹنا وہ پانی کا زور
ہر اک جانور کا درختوں پہ شور

وہ سروِ سہی اور آبِ رواں
وہ پانی کا مستی سے بہنا وہاں

وہ اُڑتی سی نوبت کی دھیمی صدا
کہیں دور سے گوش پڑتی تھی آ

وہ رقصِ بتاں اور ستھری الاپ
وہ گوری کی تانیں وہ طبلوں کی تھاپ

وہ دل پینا ہاتھ پر دھر کے ہاتھ
اُچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ

نہ انسان ہی کا ہو دل اس میں بند ہوئے محو سُنکر چرند اور پرند

غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہگئے اڑے جس جگہ تھے اڑے رہ گئے

جو پیچھے تھے آگے نہ وہ چل سکے جو بیٹھے سو بیٹھے نہ پھر ہل سکے

لگی دیکھنے آنکھ نرگس اُٹھا گلوں نے دئے کان اُودھر کو لگا

لگے ہلنے آ وجد میں سب درخت کھڑے رہ گئے سرو ہو کر کرخت

درختوں سے گرنے لگے جانور بنے مثل آئینہ دیوار و در

ہوئیں قمریاں شوق سے نعرہ زن بھرا اشک سے بلبلوں کا چمن

ہوئے نہر سے سنگپارے پگھل پڑے سارے فوارے اُسکے اُوچھل

عجب راگ کو بھی دیا ہے اثر کہ ہو جائے پتھر کا پانی جگر

بندھا اس طرح کا جو اُس جا سماں ہوا سب کے دل کا عجب حال واں

ولیکن جو کچھ دل کبوں پہ گیا کہ بن آئے ہر اک وہاں مرگیا

لگا تھا زبس عشق کا اُس کو تیر لگی کھینچنے آہ بدر منیر

بندھا اُس کو عاشق کا اپنے خیال لگی رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال

کہیں کا کہیں لے اُڑا اُسکو راگ ہوا سے ہوئی اور دونی وہ آگ

لگی کہنے ہے ہے یہ دیکھوں میں سیر نہ ہو پاس میرے وہ بادش بے نظیر

وہ جانے کہ ہو جسکے کچھ دل کو لاگ کہ معشوق بن سب ہے گلزار آگ

بھلا کیونکہ جی اُسکا خوشحال ہو کہ ہجراں کا غم جسکے دُنبال ہو

جگر میں اگر آہ کی سول ہو — لگے خار کیسا ہی گو پھول ہو
درختوں کے عالم سے کیا ہو نہال — جسے یاد شمساو کی ہو کمال
کرے گلشن و گل پہ کیا وہ نظر — جسے اپنے گل کی نہ ہووے خبر
یہ کہہ کر اُٹھی واں سے وہ دلربا — چھپر کھٹ پہ جا کر گری مُنہ چھپا
خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا — ورق کا ورق ہی وہ برہم ہوا
سب اُٹھتے ہی بس اُسکے جاتی رہیں — طوائف کہیں اور خواصیں کہیں
مری عقل اس جا پہ حیران ہے — کہ یارب یہ کیسا گلستان ہے
ہر اک وقت ہے اسکا عالم جُدا — جو چاہو یہ پھر ہو تو امکان کیا
کبھی ہے خزاں اور کبھی ہے بہار — نہیں اِک وتیرے پہ لیل و نہار

داستان بے نظیر کے غمِ ہجر سے بدر منیر کے بیقراری میں

پلا ساقی اک جام مجھ کو شتاب — کہ پردے میں شب کے گیا آفتاب
شبِ ہجر کی پھر علامت ہوئی — غرض عاشقوں پر قیامت ہوئی
گری جب چھپر کھٹ پہ وہ رشکِ حور — سبھوں کو کہا تُم رہو دور دور
اکیلی وہ رونے لگی زار زار — اُسی اپنے عالم میں بے اختیار
گرے چشم سے اُس کے اتنے گہر — کہ دھویا اُسی آب سے مُنہ سحر
صبوحی تو دے ساقیِ لعل فام — کہ رو دھو کے میں رات کاٹی تمام

ہوا آفتاب الم جو طلوع
اُداسی کا ہونے لگا دن شروع

ذرا آئینہ لے کے دیکھا جو رنگ
تو جوں آئنہ رہ گئی وہ بھی دنگ

بدن کو جو دیکھا تو زار و نزار
کسی کو کوئی جیسے دیوے فشار

فلک کی طرف دیکھ اور شکر کر
لگی دل کو بہلانے ادھر اودھر

زباں پر تو باتیں و لے دل اُداس
پراگندہ حیرت سے ہوش و حواس

نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر
نہ سر کی خبر نے بدن کی خبر

اگر سر کھلا ہے تو کچھ غم نہیں
جو کرتی ہے میلی تو محرم نہیں

جو مسّی ہے دو دن کی تو ہے وہی
جو کنگھی نہیں ہے تو یوں ہی سہی

جو سینہ کھلا ہے تو دل چاک ہے
غم آلودہ صبح طرب ناک سے

نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام
نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام

ولیکن یہ خوبوں کا دیکھا سبھاؤ
کہ بگڑے سے دونا ہو اُن کا بناؤ

نہیں حسن کی اس طرح بھی کمی
یوں بگڑی ہے بیٹھی تو گویا بنی

غرض بے ادائی ہے یاں کی ادا
بھلوں کو سبھی کچھ لگے ہے بھلا

جو ماتھے پہ چین جبیں غم سے ہے
تو وہ بھی ہے اک موج دریائی نے

وہ آنکھیں جو روتی ہیں یوں پھوٹ پھوٹ
تو گویا کہ موتی بھرے کوٹ کوٹ

تپ غم سے یاں تمتماتے ہیں گال
کہ جوں رنگ لالہ ہے وقت زوال

گریبان سینے پہ ہے جو کھلا
تو گویا ہے وہ صبح عشرت فزا

نقاہت سے چہرہ اگر زرد ہے | دیا آہ ہونٹوں پہ کچھ سرد ہے
اداسے نہیں یہ بھی عالم جدا | کہ ہے چاندنی اور ٹھنڈی ہوا

داستان بیقراری بدر منیر کی بینظیر کے فراق میں اور نجم النسا کے تسلی دینے میں

پلا ساقیا ساغر بے نظیر | پھنسی دام ہجراں میں بدر منیر
وہ حسن و جوانی اور اس پر یہ غم | ستم ہے ستم ہے ستم ہے ستم
جہاں بیٹھنا آہ کرنا اُسے | بہانا نزاکت پہ دھرنا اُسے
کبھی خون آنکھوں سے رو ڈالنا | کسی کو کبھی دیکھ دھو ڈالنا
خواصوں کو بالا بتانا اُسے | اکیلی درختوں میں جانا اُسے
و لے اُن درختوں میں جسمیں وہ ماہ | سر شام چھپ چھپ کے کرتا نگاہ
سو وہ بھی پہر دن سے آ واں مدام | اُسی چھاؤں میں بیٹھ کرتی تھی شام
گیا اس طرح جب مہینہ گذر | کہ وہ ماہ مطلق نہ آیا نظر
اور اُس کا اُدھر رنگ گھٹنے لگا | جگر خوں ہو مژگاں پہ بٹنے لگا
لگی رہنے تب جان بیتاب میں | لگا فرق آنے خور و خواب میں
محبت کا سودا سا ہونے لگا | جنوں تخم وحشت کا بونے لگا
سرکنے لگا پاس ناموس ننگ | لگی عقل اور عشق میں ہونے جنگ

خموشی اُٹھانے لگی دل میں شور
جتانے لگی ناتوانی بھی زور

یہ احوال دیکھ اُس کا دختِ وزیر
لگی جل کے کہنے کہ بدرِ منیر

تو وہ ہے کہ سب کے تئیں دے وقوف
کدھر دل گیا تیرا اے بے وقوف

مسافر سے کوئی بھی کرتا ہے پیت
مثل ہے کہ جوگی ہوئے کس کے میت

اری چار دن کے ہیں یہ آشنا
ملا دل کو آخر کریں ہیں جدا

گہے آسماں گہ زمیں کے ہیں یہ
جہاں بیٹھے جا بس وہیں کے ہیں یہ

تو بھولی ہے کس بات پر اے بُوا
خبر لے دوانی تجھے کیا ہوا

سُنو جانی جو خود یہ کوئی مرے
تو دل پہلے اپنا بھی صدقے کرے

اگر آپ پر کوئی شیدا نہ ہو
تو پھر چاہیئے اُس کی پروا نہ ہو

وہ خوش ہوگا اپنی پری کو لئے
عبث اُس پہ بیٹھی ہو تم جی دئے

تمھاری اُسے چاہ ہوتی اگر
تو اب تک وہ تم کو نہ آتا نظر

لگی کہنے تب اِس کو بدرِ منیر
کہ سُنتی ہے اے میری دختِ وزیر

کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے
کہ اُس کا خُدا عالم الغیب ہے

وہ اپنے دلوں سے تو ہے نیکذات
ہوئی اُس پہ کیا جانیئے واردات

ہوا قید یا آنے پایا نہ وہ
گئے اتنے دن اب تک آیا نہ وہ

مجھے رات دن اُسکا رہتا ہے ڈر
پری نے سُنی ہو نہ یاں کی خبر

نہ باندھا ہو اسکو کسی شید میں
کیا ہو نہ اُس کے تئیں قید میں

پری نے کہیں طیش کھا لاف میں — دیا ہو نہ پھینک اُس کو کہ قاف میں
پرستان سے بھی نکالا نہ ہو — کسی دیو کے مُنہ میں ڈالا نہ ہو
نہ ملنے کے دُکھ اُسکے سب ہیں سہے — بھلا اپنے جی سے وہ جیتا رہے
یہ کہہ حال دل اپنا رونے لگی — گہر آنسوؤں کے پرونے لگی
گئی منڈکری مار آخر کو لیٹ — چھپر کھٹ کے کونے پہ سر مُنہ لپیٹ

خواب دیکھنا بدر منیر کا بے نظیر کو کنوئیں میں اور جوگن بنکر نکلنا نجم النسا کا اُس کی تلاش میں

پلا ساقیا جام جم سے وہ مُل — کہ غائب کا احوال ظاہر ہو کل
کسی کے تو آ کام فرخندہ حال — کہ آخر یہ دُنیا ہے خواب و خیال
ذرا آنکھ جھپکی جو اُس حال میں — تو دیکھا پھنسا اُس کو جنجال میں
قضا نے دکھایا عجب اُس کو خواب — کہ دُشمن نہ دیکھے یہ حالِ خراب
جو دیکھے تو صحرا ہے اِک لق و دق — کہ رستم جسے دیکھ ہو جاے فق
نہ انسان ہے واں نہ حیواں ہے — فقط اِک کفِ دست میدان ہے
مگر بیچ میں اُسکے ہے اِک کنُواں — کہ اُٹھتا ہے آہوں کا واں سے دُھواں
کنُوئیں کا ہے مُنہ بند اُس سے اڑی — کئی لاکھ من کی ہے اک سِل پڑی
صدا واں سے آتی ہے بدرِ منیر — ترے چاہ غم میں ہوا ہوں اسیر

میں بھولا نہیں تجھکو اے مہرباں — کروں کیا کہ ہے مجھ پہ قیدِ گراں
پر اس قید میں بھی ترا دھیان ہے — فقط تیرے ملنے کا ارمان ہے
تو اپنی جو صورت دکھا دے مجھے — تو اس قیدِ غم سے چھڑا دے مجھے
نہیں مجھ کو مرنے سے کچھ اپنے ڈر — یہ غم ہے کہ تجھ کو نہ ہووے خبر
تجھے کاش اسوقت میں دیکھ لوں — جیوں میں اگر تیرے آگے مروں
ولیکن یہ ہے خام میرا خیال — نہیں وصل ممکن بغیر از وصال
کوئی دم کا مہماں ہوں آج کل — اسی چاہ میں جائے گا دم نکل
یہ سن وارداتِ شہ بےنظیر — جو چاہے کرے بات بدرِ منیر
یہ ہرگز میسر نہ آئی اسے — قضا نے نہ اس کی سنائی اسے
یکایک گئی آنکھ اتنے میں کھل — بھرے اشک رخسار پر گئے ڈھل
نہ وہ چاہ دیکھا نہ ہمراز وہ — پڑی گوش میں پھر نہ آواز وہ
صدا اپنے یوسف کی سن خواب سے — اٹھی باؤلی جان بیتاب سے
کہا گو کسی سے نہ اس نے یہ بھید — ولے جوں مہِ صبح چہرہ سفید
ڈھلے منہ پہ آنسو ہوا بسکہ رنج — چھٹے چاندنی میں ستاروں کے گنج
وہ مہتاب سا چہرہ ہو زرد زرد — سراپا ہوا شکل اندوہ و درد
زبس آہ پنہاں سے گھٹنے لگی — تو منہ پر ہوائی سی چھٹنے لگی
شرہ وہ نکلی جو تھی تیز سی — ہوئیں اشک خونیں سے گلریز سی

بھبھکا سا قد تھا جو رشکِ چنار نکلنے لگے اُس سے شعلے ہزار
جلیں اُسکی آہوں سے کُل صورتیں ہوئیں سب وہ مٹی کی جوں مورتیں
چھپایا بہت اُس نے پر ہمنشیں چھپائے سے آتش چھپے ہے کہیں
کسی سے کسی کو جو ہوتی ہے لاگ بغیر از کہے اور لگتی ہے آگ
خواصیں کئی وہ جو ہمراز تھیں بڑی خدمتوں میں سرافراز تھیں
کہا اُن سے رو رو کے احوالِ خواب رُلایا اُنھیں پڑھ کے غم کی کتاب
سنا جبکہ نجم النسا نے یہ حال ہوئی بے قراری تب اُسکو کمال
لگی کہنے وہ یوں نہ آنسو بہا ترے واسطے میں سنے اپنے دکھ سہا
بس اب سر بصحرا نکلتی ہوں میں اُسے ڈھونڈھ لانے کو چلتی ہوں میں
جو باقی رہا کچھ مرے دم میں دم تو پھر آکے یہ دیکھتی ہوں قدم
وگر مر گئی تو بلا سے موئی تو یوں جانیو مجھ پہ صدقے ہوئی
کہا شاہزادی نے سُن اے رفیق ہوئی ہیں تو اس چاہ غم میں غریق
بھلی چنگی اپنی نہ کھو جان تو کہ ہے وہ پری اور انسان تو
رسائی تری ہوگی کیونکر وہاں مجھے بھی نہ دے ہاتھ سے بیر جاں
میں جیتی ہوں اس آسرے پر فقط کہ ہوتا ہے تجھ سے مرا غم غلط
وگرنہ میں رُک رُک کے مرجاؤنگی اسی طرح جی سے گذر جاؤنگی
کہا اُس نے کیا کیجیے پھر بھلا پڑی اب تو اپنے ہی سر پہ بلا

ہیں اس عشق کا یہ نہ سمجھی نٹھی ول ۔۔۔ ترے غم سے آنے لگا مجھکو ہول

مجھے دیکھنا یوں گوارا نہیں ۔۔۔ اس اندوہ کا مجھ کو چارا نہیں

یہ کہ اُس نے رو رو اُتارا سنگار ۔۔۔ کیا اپنی پشواز کو تار تار

گریبان کو مثل گل چاک کر ۔۔۔ دیا خاک پر پھینک ادہر اُودھر

پھر آئے جو کچھ اسکو ہوش و حواس ۔۔۔ سجا تن پہ جوگن کا اس نے لباس

پہن سیلی اور گیروا اوڑھ بھیس ۔۔۔ چلی بھر کے صحرا کو جوگن کا بھیس

کئی سیر موتی جلا راکھ کر ۔۔۔ بھبھوت اپنے تن پر ملی سر بسر

پہن ایک لہنگا زری باف کا ۔۔۔ وہ پردہ سا کر اُس تن صاف کا

زری کے دوپٹے سے چھاتی کو باندھ ۔۔۔ بدن کو چھپا اور گاتی کو باندھ

زمرد کے مندرے لگا کان میں ۔۔۔ کہ جو سبزہ گُل ہو گلستان میں

گلے بیچ ڈال اپنے بالوں کے تئیں ۔۔۔ پریشان کر اپنے بالوں کے تئیں

زری کا بنا حلقہ سر پر رکھا ۔۔۔ کیا سنبلستان کو جگمگا

لٹیں دیکھ بل دوش پر چھوڑ دیں ۔۔۔ وہ باگیں سی شبدیز کی موڑ دیں

مے غم سے آنکھوں کو کر لال لال ۔۔۔ رکھا چشم میں خون دل کو نکال

زمرد کی سُمرن کو ہاتھوں میں ڈال ۔۔۔ اور اک بین کاندھے پر اپنے سنبھال

جو منکے تھے من کے اُسے کر دُرست ۔۔۔ پہن اپنے موقع سے چالاک و چُست

چلی بنکے جوگن وہ باہر کے تئیں ۔۔۔ دکھاتی ہوئی چال ہر ہر کے تئیں

تف سوز دل کا عیاں منہ سے حال
اُڑاتی چلی اپنی آہوں سے رال

اُس آئینہ رو کا کروں کیا بیاں
صفا رانگھ سے اور چمکی وہاں

کرے حُسن کو کس طرح کوئی ماند
چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند

چھپانے کو سوانگ اُس نے جو جو کیے
غرض حُسن نے اور جلوے دیے

وہ موتی کی سیلی وہ تن کی دمک
شبِ تیرہ میں کہکشانِ فلک

وزیر زادی کا جوگن بننا تلاش میں شاہزادے کے سامنے شاہزادی اور خواصوں کے

زری کا وہ حلقہ سر اور پر دھرے
کہ جوں شب میں کوئی سبیٹی کرے

زمانے کو بھائی جو اُس کی ادا
تو اُس رات پریوں کو صدقے کیا

کرے جو کہ تقویم دل سے حساب
کہے سنبلہ میں گیا آفتاب

یہ برق اور ابرِ سیہ ہے اگر
تو دامان عشاق ہونگے تر

زمرد کے سندرے وہ اس آن پر
کہوں کیا کہ جیسے کھِلے کان پر

وہ سندرے وہ تن اسکا نما کستری
ہوئی حُسن کی اور کھیتی ہری

اُڑے سبزۂ و گل کے دیکھ اسکو ہوش
وہ دونوں ہوئے اسکے حلقہ بگوش

نظر کر صفائی کو اُس گوش کی
زمرد کو اُس گوش کی لَو لگی

بڑھے کیوں نہ ہر دم زمرد کی شان
جب ایسے کسی کے لگے جا کے کان

وہ موتی کے مالے وہ مونگے کے ہار — گل و نسترن کی چمن میں بہار
گلابی سے وہ نرگسِ شوخ رنگ — بھرے جسمیں لالا کے لالے کے رنگ
وہ قشقہ کھنچا سُرخ ماتھے پہ یوں — پڑے نور پر لعل کا عکس جوں
ادا اُس کی دیکھے جو عاشق کبھو — تو رو یا کرے چشم سے وہ لہو
یہ بین اُسکے کاندھے پہ تھی خوشنما — چلے جوں کوئی مست شیشہ اُٹھا
دیارِ محبت میں مہنگی تھی وہ — نہ تھی بین عشرت کی بہنگی تھی وہ
نہ تھی بین تھے قمقمے رنگ کے — و یا تھے سبو بحر آہنگ کے
سو وہ بین کاندھے پہ رکھ یوں چلی — کہ لاوے کوئی جیسے گنگا جلی
ہر اک تار تھا بین کا رود نیل — وہ تھی ہند کے راگ کی سلسبیل
نہ عاشق ہوئے اسکے عالم پہ لوگ — دوانہ ہوا جوگ دیکھ اُس کا جوگ
بنی جب کہ جوگن وہ اس رنگ سے — لگے پھوڑنے دوست سر سنگ سے
وہ رُخصت جو اس طرح ہونے لگی — تو وہ صاحبِ خانہ رونے لگی
وہ رو رو کے دو ابرِ غم یوں ملے — کہ جس طرح ساون سے بھادوں ملے
جہانتک بندھا اُسکے رونے کا تار — بہے پھوٹ دیوار و در ایک بار
کھڑے تھے وہ جوگن کے جو گرد گل — وہ رو رو ہوئے شبنم آلودہ گل
نہ دیکھا کسی نے جو کچھ اختیار — کہا حق کو سونپا تجھے لے سدھار
چلی جس طرح پیٹھ اپنی دکھا — اسی طرح دکھلا ہمیں منہ پھرا

کسی نے کہا بھولیو مت مجھے ۔ خدا کے تئیں میں نے سونپا تجھے
کہا اُس نے خیر اب تو جاتی ہوں میں ۔ جو ملتا ہے تو اُس کو لاتی ہوں میں
تمھیں بھی خدا کو میں سونپا سُنا ۔ مرا بخشیو تم کہا اور سُنا
جُدا ہو کے القصّہ روتوں کو چھوڑ ۔ چلی اپنے گھر بار سے مُنہ کو موڑ
نہ سُدھ بُدھ کی لی اور نہ منگل کی لی ۔ نکل شہر سے راہ جنگل کی لی
لئے بین پھرتی تھی صحرا نورد ۔ تنِ چاک چاک اور رُخِ گرد گرد
کہ شاید کوئی شخص ایسا ملے ۔ کہ جس سے وہ شیدا کا شیدا ملے
جہاں بیٹھ کر وہ بجاتی تھی بین ۔ تو سُننے کو آتے تھے آہوئے چین
بجاتی وہ جوگن جہاں جوگیا ۔ تو واں بیٹھتی خلق دھونی رما
اسے سُن کے آتا تھا صحرا کو جوش ۔ صدا سے درختوں کو آتا خروش
گُلِ نغمہ جو اُس سے گرتے ہزار ۔ تو لیتا اُسے دشت دامن پسار
کہیں حلقہ حلقہ کہیں سخت سخت ۔ کھڑے ہو کے گرد اسکے سُنتے درخت
بجاتی تھی جوں جوں وہ بن بنکے بین ۔ خس و خار سُنتے تھے بن بنکے بین
نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی ۔ ہر اک عالمِ شوق میں تھی کھڑی
تماشا نہ دیکھا تھا جو یہ کبھی ۔ در و دست غش میں پڑے تھے سبھی
بیابانتک کہ رہ میں جو تھے نقش پا ۔ وہ بیٹھے تھے کان اپنے اُودھر لگا
گُلِ نغمۂ تر کی یہ تھی بہار ۔ کہ صحرا کے گل اُسکے آگے تھے خار

سُن آواز کی اسکی شان و شکوہ
نکلنے لگی دب کے آواز کوہ
نہ پانی ہی سُن شور اُس کا چلے
کنوئیں کے بھی دل میں اُٹھے ولولے
نہ چشمے ہی کچھ آبدیدہ رہے
گریبان کر چاک دریا بہے
ہوا بلبل و گُل کا یاں تک ہجوم
کہ گرتی تھیں واں ڈالیاں جھوم جھوم
تحیّر کا تھا واں ہر اِک کو مقام
زباں کا نکلتا تھا ہاتھوں سے کام
چمن کرتے پھرتے تھے جنگل کے تئیں
بساتے تھے جنگل میں دنگل کے تئیں
یہ ہر جا پہ تھا اُسکے دم سے طلسم
بندھا تھا اُسی دم قدم سے طلسم
شب و روز سر گشتہ مثل صبا
اسی طرح پھرتی تھی وہ جا بجا

داستان فیروز شاہ جنوں کے بادشاہ کے بیٹے کا عاشق ہونا جوگن پر

کدھر ہے تو اے ساقیِ گلعذار
کہ صحرا سے اب دل ہوا خار خار
کوئی پھول سی دے شتابی شراب
کہ شہرِ مطالب کو پہنچوں شتاب
وہ دارو پلا دل کو جو راس ہو
کہ جینے کی بیمار کو آس ہو
مسبب کے اسباب دیکھو ذرا
کہ قُدرت میں اُسکی ہے کیا کیا بھرا
سفید و سیہ اُس کے ہے اختیار
بنایا ہے اُس نے یہ لیل و نہار
جہاں میں ہے اندوہ عشرت بہم
کہیں صبح عیش و کہیں شام غم

دو رنگی زمانے کی مشہور ہے
کہیں سایہ ہے اور کہیں نور ہے

قضارا سہانا سا اک دشت تھا
کہ اک شب ہوا اسکا واں بسترا

وہ تھی اتفاقاً شبِ چاردہ
ادا سے وہ بیٹھی وہاں رشکِ مہ

بچھی ہر طرف چادرِ نور تھی
یہی چاندنی اُس کو منظور تھی

بچھا مرگ چھالے کو اور لے کے بین
دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبیں

کدارا بجانے لگی شوق میں
لگی دست و پا مارنے ذوق میں

کدارا یہ بجنے لگا اُس کے ہاتھ
کہ مہ نے کیا دائرہ لے کے ساتھ

بندھا اس جگہ اِس طرح کا سماں
صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں

وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت و در

وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھمکتے ہوئے

درختوں کے سائے سے مہ کا ظہور
گرے جیسے چلنی سے چھن چھن کے نور

وہ پایہ کہ جوگن کا مُنہ دیکھ کر
ہوا نور سایہ کا ٹکڑے جگر

گیا ہاتھ سے بین سُنکر جو دل
گئے سایہ و نور آپس میں مِل

وہ صورت خوش آئی جو اُس حور کی
دل اپنے پہ سایہ نے منظور کی

ہوا بندھ گئی اس گھڑی اس اصول
بسیرا گئے جانور اپنا بھول

درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
لگی بولنے وجد میں واہ واہ

کدارے کا عالم تھا یہ اُس گھڑی — کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی
یہاں کا تو عالم تھا اور طور یہ — تس اوپر مزاحم سُنو اور یہ
کہ تھا اِک پریزاد فرخ سیر — جنوں کے تھا وہ بادشہ کا پسر
نہایت طرحدار صاحب جمال — برس بیس اکیس کا سِن و سال
ہوا پر اُڑائے ہوئے اپنا تخت — کسی طرف جاتا تھا فیروز بخت
وہ جاتا تھا کرتا ہوا سیر ماہ — اسے خلق کہتی تھی فیروز شاہ
یکایک سُنی بین کی جو صدا — وہاں تخت لا اُس نے اپنا رکھا
جو دیکھے تو جوگن ہے اِک رشک حور — کہ چشمِ فلک نے نہ دیکھا یہ نور
نظر کر کے حُسن اُس کا غش کر گیا — تعشق کے عالم میں بس مر گیا
یہ سمجھا بناوٹ کا کچھ بھیس ہے — لگا کہنے جوگی جی آدیس ہے
پڑا تُم پہ ایسا کہو کیا سجوگ — کیا واسطے کس کے تم نے یہ جوگ
کدھر سے تُم آئے کہاں جاؤ گے — دیا اپنی ہم پر بھی فرماؤ گے
وہ سمجھی کہ اسکا دل آیا ادھر — کہ دل بھی تو رکھتا ہے دل کی خبر
خس و خار ہے عشق حُسن آگ ہے — سدا عشق اور حُسن میں لاگ ہے
ولے راگ ہے اور اِن میں ہوا — کہ دونوں طرف آگ دی ہے لگا
کہا ہنسکے جوگن نے ہر بول ہر — جہاں سے تو آیا چلا جا اُدھر
کہاتب پریزاد نے واہ جی — بہت گرم ہیں آپ اللہ جی

نہ روکھی ہو اتنی بھلا جاؤنگا ذرا بین سنکر چلا جاؤں گا
کہا ہو تمہیں سوتے سے اپنے کہو فقیروں کو چھیڑو نہ بیٹھے رہو
یہ دو دو لطیفے جو باہم ہوئے اسی لطف میں یہ تو بیدم ہوئے
گیا بیٹھ آ سامنے ریت میں رہا کھیت یہ تو اسی کھیت میں
نظر حسن پر گاہ گہ بین پر سراپا دل اس لعبت چین پر
رہا تن بدن کا نہ کچھ اس کو ہوش بنا گل وہ جوں نقش پا چشم و گوش
وہ جوگن جو تھی درد و غم کی اسیر ہوا غم میں جوگن کے یہ بھی اسیر
نہ سدھ بدھ کی کی اور نہ لی راہ کی جب آئی ذرا سدھ تو پھر آہ کی
بجاتی رہی بین وہ صبح تک یہ رو پا گیا سامنے سے وہ ٹھرک
ادھر تان پر بین کی تھی بہار بندھا تھا ادھر اسکے رونے کا تار
وہیں اپنے کانوں سے پہ جب آ سنی بین اٹھی لے کے انگڑائی زہرہ جبین
پھر اوسنے تب پکڑا اس کا ہاتھ شتابی بٹھا تخت پر اپنے ساتھ
زمیں سے اڑا آسماں کے تئیں وہ کتنا کہا کی نہیں رے نہیں
نہ مانا اور اس نے اڑایا اسے پرستان میں لاکر بٹھایا اسے
یہ شہزادہ گیا باپ پاس اپنے لے کہا عرض رکھتا ہوں میں آپ سے
یہ جوگی جو ہیں ایک صاحب جمال ذرا بین سنئے اور ان کے خیال
بہت آپ ان سے اٹھائینگے حظ بہت بین سے اسکی پائینگے حظ

کہا اس نے بابا بہت خوب ہے — ہمیشہ سے راگ اپنا مرغوب ہے
کہا آؤ جوگی جی بیٹھو ادھر — کرو روشن اپنے قدم سے یہ گھر
کھلا تخت سے اٹھ کے اور پاس کے — سر اپنا پہ رکھاتے قدم آپ کے
بہت اس کی تعظیم و تکریم کی — جگہ ایک پاکیزہ بیٹھنے کو دی

داستان فیروز شاہ کی مجلس آرائی اور جوگن کے بلانے میں

پلا مجھ کو ساقی محبت کا جام — کہ کہتا ہوں میں ہوا دن تمام
یہ جوگن جو بیٹھی بروگن ہوئی — کہ اتنے میں رات آئی جوگن ہوئی
بھبھوت اپنے منہ پر شتابی سے مل — دکھا اژدہے کو سر کے شب آئی نکل
دکھاتی ہوئی سوز دل دور سے — اڑاتی ہوئی رال کو نور سے
ستاروں کے مالے گلے بیچ ڈال — وہ پہنچی پرستان میں حال حال
ہوئی شب کو بزم انجم فروز — چھپا رشک سے اسکے پردے میں روز
ملک نے پرستاں میں مجلس بنا — بلایا اسے جس کی تھی یہ سبھا
پری زاد سارے ہوئے جمع واں — کہ دیکھیں تو جوگن کا چلکر سماں
وہ جوگن جو سچ مچ تھی زہرہ جبیں — سو مجلس میں آئی لئے اپنی بیں
بہت منتوں سے بلایا اسے — بڑی عزتوں سے بٹھایا اسے
کہا ہم ہیں مشتاق کچھ گائیے — سماں بین کا ہم کو دکھلائیے

کہا کچھ بجاتا نہیں اپنا کام ہر اک طرح لیتا ہمیں ہر کا نام
ہے بیزار فرمائیشوں سے فقیر و لے کیا کریں اب ہوئے ہیں اسیر
کہا جوگی صاحب یہ کیا بات ہے کرم آپ کا ہم پہ دن رات ہے
جو مرضی ہو تو تم کو تکلیف دیں نہیں جسمیں راضی ہو تم سو کریں
کہا اس طرح سے جو فرماؤ گے تو ہاں بندگی ہی میں کچھ پاؤ گے
یہ کہہ اُس نے اور بین کاندھے پہ دھر یہاں تک بجائی کہ دیوار و در
کھڑے رہ گئے ہوش کھوئے ہوئے نظر جو پڑے واں سو روئے ہوئے
گیا اہل مجلس کا جو دل پگھل تو جوں شمع اشک آئے اُنکے نکل
ہوئیں بین پر انگلیاں یوں رواں کہ ہاتھوں سے اُسکے ہوا دل رواں
رواں دواں کر دیا جان کو رولایا ہر اک جن و انسان کو
ہوا حال پر اُس کا یہ کچھ تباہ وہ عاشق جو تھا اُسکا فیروز شاہ
کبھی سامنے آکے کرتا نظر کبھی دیکھتا چھپ کے ایدھر اودھر
ستونوں کے کبھی اوٹ میں ہو کے وہ کھڑا دیکھتا اُس کو رو رو کے وہ
کبھی ایدھر اودھر سے پھر پھر کے آ چھپے اِس کے مُکھڑے کی لیتا بلا
وہ کچھ تھی نہ سُنتی نہ کہتی اُسے کن انکھیوں سے پر دیکھ رہتی اُسے
نظر اُس کی جب آن پڑتی اُدھر تو یہ اور کی طرف کرتی نظر
اِس آن و ادا پر وہ فیروز شاہ دل و جاں سے کرتا تھا ہر لحظہ آہ

اگر کوئی جوگن کی کرتا ثنا — تو کھا رشک کہتا کہ پھر تم کو کیا
غرض تھی یہ صحبت کہ میں کیا کہوں — یہی دل تھا اُسکا کہ دیکھا کروں
بجی پہلی صحبت میں واں ایسی بین — کہ غش کر گئے وے جو تھے نکتہ چین
سراہا پریزاد کے باپ نے — کہا گن دیا جوگی جی آپ نے
اِسی طرح ہر شب کرم کیجیے — مری بزمِ رشکِ ارم کیجیے
مقدم ہمارا رجھانا کرو — ہمیں اپنا معشوق جانا کرو
یہ گھر بار ہے آپ ہی کا تمام — ہوئے آج سے ہم تمھارے غلام
تکلف کو موقوف کر دیجیے — جو کچھ تم کو درکار ہو لیجیے
کہا اس نے مطلب نہیں کچھ ہمیں — تمھارا مبارک رہے گھر تمھیں
کہاں تم کہاں ہم ہوا یہ جو ساتھ — یہ تھی بات سب آب و دانہ کے ہاتھ
یہ کہ واں سے اُٹھی وہ جوگن اُدھر — دیا تھا جہاں اُسکے رہنے کو گھر
لگی رہنے اُس میں شب و روز وہ — سمجھ جی میں کچھ کچھ دل افروز وہ
کہا اپنے جی سے کہ سنتا ہے جی — نہ گھبرائیو اپنے دل میں کبھی
یہ نیم کرتا کرونگا بیاں — دریں آشکارا چہ دارو نہاں
غرض اس طرح اُس کا معمول تھا — کہ اُس شاہ پریوں کی خدمت میں جا
پہر رات تک بیٹھتی اور بولتی — ہر اک بات میں قند تھی گھولتی
بجانے میں سب کو رجھاتی تھی وہ — پہر کے پیچھے گھر میں آتی تھی وہ

ولے کیا کہوں حال فیروز شاہ — کہ تھی دن بدن اُسکی حالت تباہ
نہ دُنیا کی اُس کو نہ دیں کی خبر — اسی کے تصور میں شام و سحر
اُسی شمع کے گرد پھرنا اُسے — پتنگ کے مانند گرنا اُسے
بہانے سے ہر کام کے روز و شب — وہیں کاٹتی اُس کو اوقات سب
اسی طرح اوقات کھونا اُسے — سدا بن پری اُسکے رونا اُسے
وہ جوگن کبھی سو سو طرح کر ادا — ہر اک تان میں اُس کو لیتی لبھا
ولے کچھ کبھی پاتی جو حسن طلب — تو عاشق پہ غصہ وہ کرتی غضب
کبھی خوش کیا اور کیا گہ اُداس — کبھی دور بیٹھی کبھی اسکے پاس
کیا اُس نے پردے میں جب کچھ سوال — وداع کیا اُس کو باتوں میں ڈال
کبھی تیکھی نظروں سے گھائل کیا — کبھی میٹھی باتوں سے مائل کیا
کبھی ٹیڑھی نظروں سے مارا اُسے — کبھی سیدھے دل سے پکارا اُسے
کبھی ہنس کے دیکھا ذرا خوش کیا — کبھی ہو کے غمگین ناخوش کیا
کبھی منہ چھپایا دکھایا کبھی — کبھی مار ڈالا جلایا کبھی
لٹوں میں کبھی دل کو لٹکا لیا — کبھی ساتھ بالوں کے جھٹکا دیا
وہ ہر چند آنکھیں دکھاتی رہی — پہ نظروں سے دل کو لبھاتی رہی
بچارہ پہ شہزادہ وہ سادہ دل — ادائیں پہ انسان کے متصل
اسی طرح مدت گئی جب اُسے — چڑھی گرمی عشق کی تب اُسے

نہ منہ پر وہ عالم رہا اور نہ نور — کئی دن میں دل ہو گیا چور چور
جگر خوں ہو آنکھوں سے آیا نکل — گیا دل سب اندر ہی اندر پگھل
یہ دی پردۂ دل سے جی نے صدا — کہ ہے بے خبر کیا اپنے سبب سے انتہا
جو کہنا ہے اُس سے تو کہہ حالِ دل — کہ اب تنگ ہے اپنا احوالِ دل
سنبھلتا ہے اب بھی تو ظالم سنبھل — نہیں کوئی دم میں چلا میں نکل
ملا کر تو اب ہاتھ افسوس کو — پڑا رہ لیے ننگ و ناموس کو
یہ سن جی کا پیغام مجبور ہو — کہا اپنے نزدیک کو دور ہو
بلا سے اگر آن رہتی نہیں — کہ اب بن کہے جان رہتی نہیں
غرض ایک دن بات یہ ٹھان کر — لگا گھات میں اپنی وہ آن کر
نہ تھا اُس گھڑی کوئی ادھر اودھر — اکیلی پڑی اُس کو جو نکلی نظر
اکیلی اُسے دیکھ ہو بے قرار — گرا پاؤں پر اُس کے بے اختیار
گرا اس طرح سے قدم پر جو وہ — تو کہنے لگی تک کے اُس کو وہ
کہ ہے آج یہ کیا خلافِ قیاس — گرا اتنا تو ہو کے کیوں بے حواس
کسی نے ترا دل ستایا کہیں — دیا جی کو تیرے لبھایا کہیں
مرے بیٹھنے سے اذیت ہوئی — کہ بھائیوں کی مصیبت ہوئی
فقیروں سے اتنا نہ ہو تو خفا — چلے ہم بھلا جا ترا ہو بھلا
اذیت اگر ہم سے پاتا ہے تو — کہ اب پاؤں پڑ پڑ اٹھاتا ہے تو

لگا کہنے رو رو کے فیروز شاہ ‏ کہ بس بس یہی تو کہوگی نہ واہ
تمھاری سمجھ نے تو مارا ہمیں ‏ یہ باتیں نہیں اب گوارا ہمیں
ستائے ہوئے کو ستاتی ہو کیا ‏ جلے دل کو ناحق جلاتی ہو کیا
ہوئیں تم نہ واقف مرے حال سے ‏ فدا میں رہا جان اور مال سے
تم اپنا سا مجھ کو سمجھتے رہے ‏ بھلا تم کو اب ہاں کوئی کیا کہے
تم ایسی ہی بے رحم و بے درد ہو ‏ غرض اپنے عالم میں تم فرد ہو
کہا اُس نے لے کہہ شتاب اپنا حال ‏ کہ تو کیوں گرا سر کو پانوں پہ ڈال
کہا تب پریزاد نے میری جان ‏ کہاں تک کروں راز دل کو نہاں
بھلا ہجر میں کب تلک ہوں ملول ‏ غلامی میں اپنے مجھے کر قبول
لگی ہنسکے کہنے کہ اِک طور سے ‏ جو میری کہانی سُنے غور سے
مطالب اگر میرے بر لاوے تو ‏ تو شاید مراد اپنی بھی پاوے تو
کہا اُس نے پھر جلد فرمائیے ‏ جو کچھ آپ سے ہو بجا لائیے
کہا اُس نے یہ ہے مری داستاں ‏ کہ شہرِ سراندیپ ہے اک مکاں
ملِک ایک واں کا ہے مسعود شاہ ‏ کہ بیٹی ہے ایک اُسکی مانند ماہ
جہاں میں ہے بدرِ منیر اسکا نام ‏ میں رہتی ہوں خدمت میں اُسکے مدام
بنایا ہے اُس نے الگ ایک باغ ‏ کہ فردوس کا ہے وہ چشم و چراغ
جُدا باپ سے تھی وہ اس جا مقیم ‏ سدا سیر کرتی تھی بےخوف و بیم

میں نجم النسا اُس کی دختِ وزیر ہمیشہ سے ہمراز تھی اور مشیر
جُدا ایک دم اُس سے ہوتی نہ تھی سُلائے بغیر اُس کے سوتی نہ تھی
خوشی سے سرو کار غم سے فراغ برنگِ چمن رہتی تھی باغ باغ
کسی طرح کا غم نہ تھا دھیان میں ترقی خوشی کی تھی ہر آن میں
ہوئی ایک دن یہ عجب واردات کہ ایک شخص وارد ہوا ایک رات
کہاں تک کہوں اُسکا قصّہ ہے دور نہ تھا آدمی نور کا تھا ظہور
گیا اُس پہ اُس شاہزادے کا دل گئے ایک دونوں وہ آپس میں مل
ولے عاشق اُس پر تھی کوئی پری محبت میں تھی اُسکی وہ جی بھری
کہیں واں کے آنے کی سُنکر خبر خُدا جانے پھینکا ہے اُس کو کدھر
و یا قید میں اُس کو ڈالا کہیں کہ مدّت سے اسکی خبر کچھ نہیں
سو میں کھوج میں اُسکے جوگن ہوئی یہاں تک تو پہونچی بروگن ہوئی
پریزاد آپس میں تم ایک ہو اگر تم ذرا کھوج اس کا کرو
تو شاید مدد سے تمھاری ملے تو پھر آرزو بھی ہماری ملے
دل آباد ہو جی کو آرام ہو تمھارا ابھی اس کام میں کام ہو
کہا تب پریزاد نے ہاتھ لا انگوٹھا دکھایا کہ اترائے جا
کہا پھر یہی کچھ نہیں ہے جبیں لگی ہنس کے کہنے نہیں یہ نہیں
یہ سُن قوم کو اپنی اُس نے بُلا تفقّد سے سب کو بُلا کر کہا

کہ جاؤ تو ڈھونڈو کرو مت کمی — کہ ہے اک پرستاں میں قید آدمی

جو تم میں سے لاویگا اُس کی خبر — جواہر کے دونگا لگا اُس کے پر

یہ سُن اپنے سردار کا وہ کلام — تجسس میں پھرنے لگے صبح و شام

ہوا ایک کا ناگہاں واں گزر — جہاں قید میں تھا وہ خستہ جگر

وہ روتا جو تھا نالہ و آہ سے — تو کچھ اُس کو آئی صدا چاہ سے

کہا کچھ تو ملتا ہے یاں سے سراغ — کہ آتی ہے یاں بوئے گلزار باغ

وہ چوکی کے جو دیو تھا جا بجا — لگا پوچھنے کس کی ہے یہ صدا

کہا ماہرخ کا ہے قیدی یہاں — کنوئیں میں تڑپتا ہے اک نوجواں

وہ تحقیق کر اور لے اُن کا بھید — اُڑا شہر کو اپنے دیو سفید

کیا جا کے فیروز شہ کو سلام — سُن آیا جو کچھ تھا سنایا کلام

کہا میرا مجرا ہے اب لائیے — جو دینے کہا ہے سو دلوائیے

یہ معمول تھا اُن کے انعام کا — جواہر کے اُس کو دیئے پر لگا

داستان پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ کے ماہرخ کو

یہ بھیجا پھر اُس ماہرخ کو پیام — کہ کیوں زیست کرتی ہے اپنی تمام

بنی آدمی کو تو چوری سے لا — بٹھاتی ہے گھر میں تعشق جتا

ترے باپ کو گر لکھوں تیرا حال — تو کیا حال ہو تیرا پھر اے چھنال

نکالو امانت اسے اس نمط　　کہ لیتے ہیں بو مشک سے جس نمط
تمہیں احتیاط اسکی اب ہے ضرور　　سمجھیو اسے اپنی پتلی کا نور

داستان کنوئیں سے نکلنے میں بینظیر کے

قدح بھر کے لا ساقیِ بے تمیز　　کنوئیں سے نکلتا ہے یوسف عزیز
گئے دن خزاں کے اور آئی بہار　　نئے لالہ گوں سے دکھا لالہ زار
گلابی جھلکتی پلا دے مجھے　　سماں کوئی ایسا دکھا دے مجھے
کہ وہ ماہِ نخشب کنوئیں سے نکل　　منازل کو اپنے پھرے بر محل
کوئی دیو تھا واں سکندر نژاد　　کنوئیں میں اتر کر حسب مراد
الگ یوں لے آیا کنوئیں سے نکال　　کہ فوارہ جوں آب کو دے نکال
لے آیا وہ جوں خضر سو گھات سے　　نکال آب حیواں کو ظلمات سے
ہوئی مست اس نازبو سے وہ گل　　کہ نکلا وہ سنبل سے مانند گل
اندھیرے سے نکلا وہ روشن بیاں　　کہ حرفوں سے جوں ہووے معنی عیاں
وہ جیتا تو نکلا و لے اس طرح　　کہ بیمار ہو نزع میں جس طرح
زمیں اوپر آنے کا تھا اس کو غم　　کہے تو کہ پھرتا تھا اوپر کا دم
جمی خاک تن پر بہ رنگ زمیں　　گڑا جیسے نکلے ہے پتلا کہیں
نہ آنکھوں میں طاقت نہ تن میں تواں　　کہ جوں خشک ہو نرگس بوستاں

وہ تن سُرخ جو تھا سو پیلا ہوا　　وہ جوڑا جو تھا سبز نیلا ہوا

وہ سر میں جو تھے اسکے سُنبل سے بال　　ہوئے لاغری سے بدن کے وبال

فقط پوست باقی تھا اور استخواں　　نہ تھا خون کا رنگ بھی درمیاں

بدن سے رگوں کی تھی اس ڈھب نمود　　کہ اُلجھی ہو جوں ریسمانِ کبود

بدن خشک و زرد اس طرح تھا وہ گل　　خزاں دیدہ ہو جس طرح برگ گل

وہ ناخن جو تھے اسکے مثلِ ہلال　　سو وہ ہو گئے بڑھ کے بدرِ کمال

یہ دیکھا جو احوال اس کا تباہ　　تو روتا ہوا جلد فیروز شاہ

بٹھا تخت پر اپنے اس کو وہاں　　لے آیا وہ بیٹھی تھی جوگن جہاں

رکھا تخت اک جا پہ اس کا چھپا　　کہا پھر یہ جا کر نجم النسا

چل اب تو کہ میں اُسکو لایا یہاں　　یہ سُنتے ہی گھبرا کے بولی کہاں

دِوانی تھی ازبس وہ اُس نانوں کی　　نہ سر کی رہی سُدھ نہ کچھ پانوں کی

کہا چل کہاں ہے بتا تو مجھے　　ذرا اُس کی صورت دکھا تو مجھے

کہا رہ کے چلیو ذرا تھم رہو　　کہ شادی بڑی ہے کہیں غم نہ ہو

یہ کہہ اور لے ہاتھ میں اس کا ہاتھ　　لے آیا وہ جوگن کو واں ساتھ ساتھ

گیا آپ اس تخت پر بیٹھ اور　　دکھایا اُسے اور کہا کر تو غور

جسے ڈھونڈھتی تھی یہ سو ہے وہی　　کہا ہاں رے ہاں یہ وہی ہے وہی

یہ کہہ اور اس تخت کے پاس آ　　کہا اے پریزاد تو اُٹھ ذرا

کہ اس تخت کے گرد آکے ہم چھپ رہیں　　بلائیں ہیں دل کھول کر اسکی لوں

کہا اُس نے ہنسکر پری زاد دیکھ تو　　تو اس بات پر پھیر کے عہد سے نہ ہو

کہا اُس نے تب اپنی چوٹی دکھا　　ارے دیو تو کیوں دوانہ ہوا

غرض وہ پری زاد سے تھے اُتر　　کھڑا ہو گیا تخت سے ہٹ اُدھر

پھر اُس تخت کے گرد پھرنے لگی　　بلا اُس کی لے لے کے گرنے لگی

گلے لگ کے رونے لگی زار زار　　کیا اپنے تن من کو اُس پر نثار

وہ دیکھے جو ٹک آنکھ اُٹھا بینظیر　　تو نجم النسا ہے یہ دخت وزیر

کہا تو کہاں اور کس کا یہ جوگ　　کہاں یہ لباس اور کہاں تم یہ لوگ

کہا تیرے غم نے دوانہ کیا　　کہ عالم سے اپنے بیگانہ کیا

بغل کھول کر پھر تو آپس میں مل　　وہ رویا کئے دیر تک متصل

بیاں حال دونوں جو کرنے لگے　　دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگے

کہی سرگذشت اُس نے اُس دم تلک　　کہ اس طرح پہنچے ہو تم ہم تلک

پھر اُن بینظیر اپنے دلسوز سے　　لگا شاد ہونے اُسی روز سے

کہا ایک دن تو انھوں نے مقام　　چلے دوسرے دن وہ نزدیک شام

اسی تخت پر بیٹھ کر وہ اُدھر　　کہ تھا نقش مطلوب اس کا جدھر

وہ جوگن وہ فیروز شاہ اور وہ ماہ　　چلے تخت پر بیٹھ اوپر کی راہ

پڑھے حرف مطلب جو کچھ سوچ کر　　تو لے کر بیٹھے مثلث کے گھر

مرصع نشیں تھی جو بدرِ منیر — وہاں اُس کو لائی وہ وحشت وزیر
اُتارا وہیں لا درختوں میں تخت — دوبارہ کھُلے اُن درختوں کے بخت
اکیلی اُترواں سے آئی اِدھر — لئے سوگ بیٹھی تھی وہ مہ جدھر
یکایک جو وہ آ قدم پر گری — تو چونکی وہ شہزادی اور کچھ ڈری
پھر آخر جو دیکھا تو جوگن ہے یہ — مرے درد و غم کی بروگن ہے یہ
کہا میری نجم النسا تو ہے جان — اری تیرے صدقے مری مہربان
ہمیں تیرے ملنے کی کب آس تھی — کہ جینے سے اپنے ہمیں یاس تھی
بہت اُس نے چاہا کہ ہووے کھڑی — کھڑی ہوتے ہوتے وہیں گر پڑی
کہا بارِ غم سے افاقت نہیں — اری کیا کروں مجھ میں طاقت نہیں
بلائیں لگی لینے نجم النسا — لگی گرد پھرنے برنگِ صبا
اُسے شاہزادی کا تھا حال یاد — جو دیکھا تو یاں اس سے کچھ ہے زیاد
نہ گھر کی وہ رونق نہ اُسکا وہ حال — گلوں سے لگا دل تلک پائمال
پڑے سارے بے داشت پوار و در — محل کو جو دیکھا تو ٹوٹا سا گھر
خواصیں جو تھیں پاس وہ نازنیں — سو میلی کچیلی کہیں کی کہیں
نہ چوٹی گندھی اور نہ کنگھی درست — جو چالاک تھی بن گئی وہ بھی سست
ہراِک اپنے عالم پہ دیکھو تو دنگ — اُڑا رنگ چہرے کا مثلِ پتنگ
نہ آپس کی چہلیں نہ وہ چہچہے — نہ گانا بجانا نہ وہ قہقہے

غم آلودہ ہر ایک زار و نزار — نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار
جو بیٹھیں تو رونا جو اُٹھیں تو غم — غرض بیٹھتے اُٹھتے اُس پر ستم
چمن سارے ویران سے ہیں پڑے — شجر گُل کے اک جھاڑ سے ہیں کھڑے
جو خود ہے تو حیران و بیمار سی — کہ جوں زرد شیشے کی ہو آرسی
نہ تاب و تواں اور نہ ہوش و حواس — ضعیف و نحیف و پریشاں اُداس
یہ دیکھ اُسکا احوال نجم النسا — جلی شمع کی طرح آنسو بہا
ولیکن محل میں پڑی جب یہ دھوم — کیا مثل پروانہ اُس پر ہجوم
سُنی ایک نے ایک سے یہ خبر — مبارک سلامت ہوئی یکدگر
کوئی غنچے کی طرح کھلنے لگی — کوئی دوڑ کر اُس سے ملنے لگی
ٹکے کوئی صدقے کے لانے لگی — کوئی سر سے روٹی چھوانے لگی
کوئی آئی باہر سے گھر سے کوئی — اِدھر سے کوئی اور اُدھر سے کوئی
حقیقت لگی پوچھنے آ کوئی — لگی کرنے آپس میں چرچا کوئی
ہوا سر پہ اس کے زبس اژدحام — لگی کرنے گھبرا کے سب کو سلام
کہا بیبیو کل کہوں گی میں حال — کہ اب راہ کی ماندگی ہے کمال
وہ انبوہ جب کچھ ہوا برطرف — تو پھر دیکھ نجم النسا کی طرف
کہا شاہزادی تو آتی نہیں — ادھر اپنی تشریف لاتی نہیں
چلو چل کے آرام ٹک کیجیے — کچھ اِک تم سے کہنا ہے سُن لیجیے

گئی جبکہ خلوت میں بدر منیر — کہا میں لے آئی ترا بے نظیر
یہ سن ایک دم تو وہ غش کر گئی — کہے تو کہ حیرت میں آ مر گئی
تعجب سے پوچھا کہ سچ ہے یہ — دیا چھیڑنے کو مرے کچھ ہے یہ
کہا مجھ کو سوگند اس جان کی — غلط کہنے والی میں قربان کی
نشاط و خوشی کی خبر یاب بیاب — نہیں منہ پہ کچھ بیٹھتی بے دھڑک
کہا کیونکہ لائی کہا اس طرح — وہ سب کہہ دیا حال تھا جس طرح
ترا قیدی جا کر چھڑا لائی ہوں — اور اک اور بندھوا اڑا لائی ہوں
کہا پھر وہ دونوں کہاں ہیں کہا — درختوں میں ان کو رکھا ہے چھپا
عجب وقت میں میں ہوئی تھی جدا — کہ دلبر کو تیرے دیا لا ملا
مگر ایک یہ آ پڑی بے بسی — کہ میں تیری خاطر بلا میں پھنسی
سو اب ایک کو تو لے آئی ہوں میں — ہوا دوسرے کو بتائی ہوں میں
یہ سن شاہزادی ہنسی کھلکھلا — کہا کیوں اڑاتی ہے نجم النسا
اری ایک ہی تو بڑی قہر ہے — کہیں تو ہے امرت کہیں زہر ہے
چل اب چوچلے بس زیادہ نہ کر — انھیں جا کے جلدی لے آ تو ادھر
کہا پھر پریزاد کے روبرو — بغیر از کسی کے رہے ہو گی تو
کہا وہ تو ایسا دوانہ نہیں — وہ اس بات کو کیا کہے گا نہیں
اگر دل میں کچھ تیرے وسواس ہے — نہیں دور وہ بھی ترے پاس ہے

ذرا پوچھ لیجو تو اس بات کو
کہ وہ روبرو اُسکے ہو یا نہ ہو

یہ سن کر شتابی گئی وہ نگار
لیا جا کے آہستہ اُن کو پکار

چھپائے ہوئے لا بٹھایا وہاں
وہ خلوت کا جو تھا قدیمی مکاں

پھر اُس سے یہ پوچھا کہ اے بینظیر
کہے تو چلی آئے بدرِ منیر

کہا خیر ہے تجھ کو رشکِ چمن
چھپے ہے کہیں بھائی سے بھی بہن

مرا جان و مال اُس پہ قربان ہے
کہ اس کے سبب سے مری جان ہے

مرا یہ تو ہمدم ہے دن رات کا
مجھے اس سے پردہ ہے کس بات کا

داستان بینظیر اور بدرِ منیر کے ملنے کی اور اُس کے باپ کو بیاہ کا رقعہ لکھنے میں

مرے مُنہ سے ساقی لگا دے شراب
کہ ملتے ہیں باہم مہ و آفتاب

یہ سُن اُسکے باتیں وہ پردہ نشیں
چلی آئی واں ناز سے نازنیں

حیا سے پھر آکر جو بیٹھی وہ پاس
پھر آئے گئے اُس کو ہوش و حواس

نظر سے نظر جو ملی ایک بار
کئے چشم نے لعل و گوہر نثار

اُدھر چشم خونیں اِدھر چشم نم
اُسے اِسکا غم اور اِسے اُسکا غم

نہ وہ رنگ اِسکا نہ وہ اُسکا حال
تنِ زرد زرد اور رُخِ لال لال

بہم وہ خزاں دیدہ گلزار سے
ملے جیسے بیمار بیمار سے

عجب صحبت آپس اس دم ہوئی ۔ کہ ایسی کبھی صحبت بہت کم ہوئی

وہ نجم النسا اور فیروز شاہ ۔ حیا سے کیے اپنی نیچی نگاہ

سرشکِ محبت بہانے لگے ۔ اس احوال پر حیف کھانے لگے

اور اک طرف کو شاہزادہ نڈھال ۔ لگا رونے آنکھوں پہ رکھ کر رومال

وہ مجروح دل تھی جو بدرِ منیر ۔ لگی کھینچنے اپنی آہوں کے تیر

چھپا منہ کو اس طرف سے نازنیں ۔ لگی کرنے تر دامن و آستیں

پڑی غم کی باتیں جو آدرمیاں ۔ یہ روئی کہ لگ لگ گئیں ہچکیاں

غرض دیر تک ملکے روتے رہے ۔ جدائی کے داغوں کو دھوتے رہے

رخِ زرد پر اشک گلگوں بہا ۔ بہار و خزاں کو کیا ایک جا

کلیجوں پہ جو داغ تھے بیشمار ۔ سو آنکھوں سے انکی دکھائی بہار

پھر آخر کو نجم النسا وہ شریر ۔ لگی کہنے سنتی ہے بدرِ منیر

کیا چاہتی ہے تو اب قہر کیا ۔ زیادہ نہ بس اپنی الفت جتا

مگر تیری خاطر یہ رویا ہے کم ۔ کہ تو اور رو رو کے دیتی ہے غم

ذرا تن میں آنے دے اسکے تواں ۔ ابھی اس کو رونے کی طاقت کہاں

یہ مردہ سا لائی ہوں میں اس لیے ۔ کہ دیکھے سے تیرے شتابی جیے

وہاں میں نے اسکی نہیں کی دوا ۔ کہ ہے خانۂ یار دار الشفا

لے آئی ہے اس کو محبت کی دھن ۔ جیا ہے فقط تیرے ملنے کی سن

اسے وصل کی اپنے دارو پلا
کسی طرح اس نیم جاں کو جلا

بس اب کچھ خوشی کی کرو گفتگو
جدا پھر نہ ہم کو رلائے کبھو

نہیں خوشنما پاس آئے ہوئے
رہیں دو جنے منہ بٹھائے ہوئے

یہ سن ہنس پڑے سب وہ آپس میں مل
پڑیں جس طرح پھول گلشن میں کھل

بہم پھر تو ہونے لگے اختلاط
اُچٹنے لگے دل سے عیش و نشاط

شب آدھی گئی جب تو خاصہ منگا
تکلف سے ہر اک کے آگے دھرا

عجب چہل سے سب نے آپس میں مل
کیا نوش حسب تمنائے دل

پھر آخر کو دو دو جدا ہو گئے
الگ خوابگاہوں میں جا سو گئے

اٹھائے تھے جو جو کہ رنج و ملال
ہوئے اس شب میں وہ خواب و خیال

الگ ہو کے لیٹی جو وہ ماہ رو
لگی کرنے اپنے عجب گفتگو

وہ گزرا ہوا یاد کر کر کے حال
لگی رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال

کہا شاہزادے نے احوال سب
کنوئیں میں جو گزرا تھا رنج و تعب

کہ یوں میں اندھیرے میں رویا کیا
کنوئیں میں تن اپنا ڈبویا کیا

نہ پہنچا کوئی میرا فریاد رس
تڑپتا رہا برنگ جرس

وہ تاریک خانہ مرا گھر رہا
سدا میری چھاتی پہ پتھر رہا

محبت نے کچھ چاشنی اور دی
کہ میرے تئیں جیتے جی گور دی

زمیں سے نکلنے کی کب آس تھی
فلک کے مجھے ہاتھ سے یاس تھی

عجب طرح سے زیست کرتا رہا — تری جان سے دور مرتا رہا
خدا ہی نے تجھ سے ملایا مجھے — اُٹھا قبر سے کھینچ لایا مجھے
دیا شاہزادی نے رو رو جواب — کہ میں نے بھی اک شب یہ دیکھا تھا خواب
ترے داغ کی دل میں جو بو گئی — میں اک روز روتی ہوئی سو گئی
تو کیا دیکھتی ہوں کہ صحرا ہے ایک — اور اس دشت بر میں کنواں سا ہے ایک
صدا واں سے آتی ہے بدر منیر — ادھر آ کہ یاں قید ہے بے نظیر
میں ہر چند چاہا کروں تجھ سے بات — ولے کی گئی واں نہ کچھ مجھ سے بات
مری جان گو اس طرف ڈھل گئی — اُسی دم مری آنکھ پھر کھل گئی
عجب اس گھڑی مجھ پہ گزرا قلق — کہ دل اور جگر ہو گیا میرا شق
اُسی دن سے یہ حال پہنچا مرا — کہ مرتی رہے نام لے لے ترا
نہ دیتا تھا گو کوئی تیری خبر — ولے تھا ترے غم سے دل کو اثر
گزرتا تھا واں مجھ پہ جو صبح و شام — وہ اندھیر تھا مجھ پہ روشن تمام
یہ کہتی ہیں کس سے یہ درد نہاں — شب و روز جلتی تھی میں شمع ساں
عجب طرح سے زیست کرتی تھی میں — کہ اس زیست کرنے سے مرتی تھی میں
اسی غم میں رہتی تھی لیل و نہار — کہ کیونکر ملا دے گا پروردگار
مری شکل پر رو کے نجم النسا — کہی اس طرح حال اپنا بتا
پھر آگے تو معلوم ہے تم کو سب — کہ ہم تم ملے پھر اسی کے سبب

یہ آپس میں کہہ حال دل رو اُٹھی — وہ کہنے کو سوئی تھی بس سو اُٹھی
جو ملتے ہیں بچھڑے ہوئے ایک جا — آنکھیں نیند باتوں میں آتی ہے کیا
پریزاد نجم النسا واں جدی — الگ اپنی باتوں میں مشغول تھی
کٹی رات حرف و حکایات میں — سحر ہوگئی بات کی بات میں
شب وصل کی جو سحر ہوگئی — تو سوتوں کو گویا خبر ہوگئی
چھپا ماہ نے اپنے منہ پر نقاب — اُٹھا بستر خواب سے آفتاب
صبوحی کو اُٹھتا ہے جیسے مدام — شراب شفق سے بھرا اپنا جام
لئے روز کو ساتھ آنے لگا — وہ سوتوں کو شب کے جگانے لگا

ہوا چشم وا جب وہ مژگاں دراز — سپید و سیہ میں ہوا امتیاز
گیا عقدہ صبح اُس دم جو کھل — نکل آئے ادھر اُدھر سے وہ گل
اُٹھے جب کہ آپس میں گلفام وہ — گئے باری باری سے حمام وہ
دوبارہ کیا سب نے اپنا سنگار — چمن میں نئے سر سے آئی بہار
وہ جوگن ہوئی تھی جو نجم النسا — جمی گرد وہ اپنے تن کی چھوڑا
نہا دھو کے نکلی عجب آن سے — کہ الماس نکلے ہے جوں کان سے
نہانے سے نکلا عجب اُسکا روپ — نکل آئے بدلی سے جسطرح دھوپ
دیے آگ اُس نے لگائی یہ اور — کہ پوشاک کی سرخ لالے کے طور
جلانے کو عاشق کے دکھلا پھبن — لیا سرخ لاہی کا جوڑا پہن

تمامی کی سنجاف اُس پر لگا	طلا کی طرح سے دیا دگدگا
اسی رنگ کے ساتھ کا سب لباس	تصور میں ہو سرخ جیسکے لباس
بھبھوکا سا تن اور منہ کی دمک	کہ جوں شعلہ آتش سے اُٹھے بھڑک
نکیلی وہ اُٹھتی ہوئی چھاتیاں	بچھریں اپنے جوبن میں اِنڈلاتیاں
گلے کی صفائی وہ کُرتی کا چاک	تڑاقے کی انگیا کسے ٹھیک ٹھاک
وہ کنچن سی آنکھیں کہیں لال لال	بھرے رنگ سے قمقمے کی مثال
ملاہٹ وہ جھلنی کی اُس سے نمود	کہ جوں سرخ چہرے پہ خال کبود
کہے تو لئے اپنے منہ پر نقاب	شفق میں چھپیں جوں مہ و آفتاب
بنت گرد اُس کے پہ کیونکر پھرے	کہ واں گو کھرو لہرکھا کر گرے
وہ پاجامہ سبز کمخواب اور	دو پٹہ بنارس کا سورج کے طور
جواہر سجا اپنے موقع سے کل	ترشح میں ہو جیسے نمدیدہ گل
وہ کنگھی کھنچی اور وہ ابرو کھنچے	ہر اک آن میں اپنی ہر سو کھنچے
کھجوری وہ چوٹی زری کا موباف	کہ جوں دود کے بعد شعلہ ہو صاف
عروسانہ اُس نے کیا جو لباس	تو آنے لگی خون کی اُس میں باس
بنی جبکہ اس رنگ وہ رشک حور	چلی آئی فیروز شہ کے حضور
پریزاد تو قتل ہی ہو گیا	کہے تو کوئی جان سے کھو گیا
حیا سے نہ کی بات نے کچھ کہا	ولے جی سے قربان اُس پر رہا

وہ بن ٹھن کے آپس میں ہنسنے لگی — بہم رازِ دل اپنے کہنے لگی
خوشی سے ہوئے بسکہ سرسبز دل — لگے سبزیاں پینے آپس میں مِل
ضیافت بہم مِل کے کھانے لگے — وہ غم کھا کے اُنکے ٹھکانے لگے
چھپے عیش و عشرت وہ کرتے رہے — نہ غیروں کے چرچے سے ڈرتے رہے
اگرچہ ہر اک وصل سے شاد تھا — ولے ہجر کا غم اُنھیں یاد تھا
یہ ٹھہرا کے نکلے وہ دو ماہرو — کہ اس بات کو کیجیے ایک سو
غضب ہے جو یوں ہیں دوبارہ نہاں — چھپے کب تلک آشکارا رہیں
سہی ہے یہ تکلیف آرام کو — یہ ناکامیاں ورنہ کس کام کو
نصیب اس طرح سے جو یاری کریں — عیاں کیوں نہ ہم خواستگاری کریں
جب آپس میں یہ مشورے ہو گئے — اِدھر اور اُدھر مِل کے دو ہو گئے
وہ نجم النسا اور وہ بدرِ منیر — کچھ اک کر بہانہ وہ دونوں شریر
رہیں گھر میں پھر جا کے ماں باپ کے — کہ دیکھیں گے اب تم قدم آپ کے
ملکہ بے نظیر اور وہ فیروز شاہ — کسی شہر میں رکھ کے فوج و سپاہ
کر اسباب سب سلطنت کا درست — پھر آئے اُسی جا پہ جا اک وہ چست
وہاں کا جو تھا شاہ انجم سپاہ
جسے لوگ کہتے تھے مسعود شاہ

نامہ بھیجنا بے نظیر کا مسعود شاہ کو خواستگاری میں بدر منیر کے

کیا نامہ یوں ایک اُس کو رقم — کہ اے شاہِ شاہاں و اے فخرِ جم

فریدوں مثال و سکندر نژاد — مرادِ جہان و جہانِ مراد

جہانِ شجاعت زمانِ کرم — دلِ رستم گرد حاتم ہمم

میں وارد ہوں یاں ایک مہماں غریب — یہ آئے ہیں یاں مجھ کو میرے نصیب

نوازش سے اپنی کرم کیجیے — غلامی میں اپنے مجھے لیجیے

ہمیشہ سے ہے راہ و رسمِ جہاں — کہ وابستہ یوں ہی ہیں کارِ جہاں

جہاں پر ہے روشن کہ میں ماہ ہوں — ملک زادہ ابنِ ملک شاہ ہوں

ہر اک تجھ سے واقف ہے برنا و پیر — کہ ہے نام میرا شہِ بے نظیر

بیاں سب کیا ماضی و حال کا — تجمل لکھا فوج و اموال کا

جتا کر بہت عجز اور انکسار — لکھا یہ بھی اک حرف آخر کی بار

کہ جو ہو وے برعکس شرعِ شریف — وہ ہے اپنے مذہب میں اپنا حریف

اگر مانیے شہ تو مانیے — نہیں آپ آیا ہمیں جانیے

گیا یہ جو مسعود شہ کو پیام — سنا اور پڑھا خط کے مضموں تمام

سمجھ اس کا مضمون مسعود شاہ — کہ اتنی ہے فوج اور اتنی سپاہ

اگر جنگ ہو تو بڑی جنگ ہو ‏ ‏ پھر آخر خدا جانے کیا رنگ ہو

اور آخر یہی ہے زمانے کا حال ‏ ‏ کہ پیوند ہوتے ہیں باہم نہال

نہ تازی یہ کچھ رسم پیوند ہے ‏ ‏ ہمیشہ سے عالم برومند ہے

جواب نامہ بے نظیر کا ملک مسعود شاہ سے

لکھا نامہ اس کے یہ اک در جواب ‏ ‏ کہ عاقل کو نکتہ لگے ہے کتاب

لکھا بعد حمد و ثنائے خدا ‏ ‏ پس از نعت احمد شہِ انبیا

کہ نامہ تمھارا جو سربستہ تھا ‏ ‏ وہ رازِ نہاں اپنے ہاتھوں کھلا

شریعت کے عالم میں مجبور ہیں ‏ ‏ نہیں اپنے نزدیک ہم دور ہیں

اگر ہم کبھی اپنے دعوے پہ آئیں ‏ ‏ تمھارے فلک کو نہ خاطر میں لائیں

ابھی گھر سے نکلے ہو لڑکوں کے طور ‏ ‏ نہیں نیک و بد پر تمھیں اپنے غور

کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں ‏ ‏ سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں

ولے کیا کریں رسم دنیا ہے یہ ‏ ‏ وگرنہ گھمنڈ آپ کا کیا ہے یہ

ز بس ہم کو ہے پاس شرع رسولؐ ‏ ‏ سو اس واسطے کرتے ہیں ہم قبول

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ‏ ‏ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ایک اچھی سی تاریخ ٹھہرائیے ‏ ‏ دیا حکم ہم نے تمھیں آئیے

گیا ایلچی لے کے نامہ اُدھر ‏ ‏ اڑی ہر طرف یہ خوشی کی خبر

سُنی جب کہ نامہ کی گفت و شنید — ہوئی شاہزادہ کو گویا کہ عید
کشادہ ہوئے دل جو تھے غم سے تنگ — اُسی دن سے ہونے لگے راگ و رنگ
ہوئیں ہر طرف سب دل آزاریاں — لگی ہونے شادی کی تیاریاں
بُلا سگنیوں کو بتا سال و سن — مقرر کیا نیک ساعت کا دن

داستان بینظیر اور بدر منیر کے بیاہ کی اور اُسکے تجمل میں

کدھر ہے تو اے ساقیِ گلبدن — دھری آج اس شمع رو کی لگن
بُلا مطربانِ خوش آواز کو — کہ آویں لئے اپنے سب ساز کو
وہ اسبابِ شادی کا تیار ہو — مکرر نہ پھر جس کی تکرار ہو
بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز — چڑھا بیاہنے وہ مہِ شب فروز
محل سے نکل جب ہوا وہ سوار — بجے شادیانے بہم ایک بار
کروں اُس تجمل کو کیوں کر عیاں — کہ باہر ہے تقریر سے یہ بیاں
وہ دولہا کے اُٹھتے ہی اک غل پڑا — لگا دیکھنے اُٹھ کے چھوٹا بڑا
کوئی دوڑ گھوڑوں کو لانے لگا — کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا
لگا کہنے کوئی اِدھر آئیو — ارے رتھ شتابی مری لائیو
کسی کو کسی نے پکارا کہیں — نہ لانے پہ میانے کے مارا کہیں
کوئی پالکی میں چلا ہو سوار — پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار

جو کثرت میں دیکھا کہ گاڑی نہیں ‏ ‏ ‏ ‏ کوئی مانگے تانگے پہ بیٹھا کہیں
سپر اور قبضے کھڑکنے لگے ‏ ‏ ‏ ‏ سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے
ٹکورے وہ نوبت کے اور اُنکے بعد ‏ ‏ ‏ ‏ گرجنا وہ دھونسوں کا مانند رعد
وہ شہنائیوں کی سُہانی دُھنیں ‏ ‏ ‏ ‏ جنھیں گوش زہرہ مفصل سُنیں
ہزاروں تمامی کے تختے رواں ‏ ‏ ‏ ‏ اور اہلِ نشاط اُن پہ جلوہ کناں
وہ طبلوں کا بجنا اور اُن کی صدا ‏ ‏ ‏ ‏ یہ گانا کہ اچھا بنا لاڈلا
وہ نوشہ کا گھوڑے پہ ہونا سوار ‏ ‏ ‏ ‏ وہ موتی کا سہرا جواہر نگار
ٹھٹھک کر وہ گھوڑے کا چلنا سنبھل ‏ ‏ ‏ ‏ ہما کے وہ دونوں طرف مورچھل
وہ فانوسیں آگے زمرد نگار ‏ ‏ ‏ ‏ کہ ہو سبز مینا جھٹوں پر نثار
دو رستہ جو روشن چراغاں ہوئے ‏ ‏ ‏ ‏ پتنگے خوشی سے غزلخواں ہوئے
ہوا دن جو روشن چراغاں سے ‏ ‏ ‏ ‏ پڑھے شعر نوری کے دیوان کے
چراغوں کے تر پڑے لئے جابجا ‏ ‏ ‏ ‏ اور اُن میں وہ بازاریوں کی صدا
کوئی پان بیچے کھلونے کوئی ‏ ‏ ‏ ‏ کوئی دال موٹھ اور سلونے کوئی
تماشائیوں کا جُدا اِک ہجوم ‏ ‏ ‏ ‏ پتنگے کریں جوں چراغوں پہ جھوم
کڑکنا وہ نوبت کا باجوں کے ساتھ ‏ ‏ ‏ ‏ گرجنا وہ دھونسوں کا ڈنکوں کے ساتھ
ہوائی اِدھر اور اُدھر جوق جوق ‏ ‏ ‏ ‏ وہ آواز سُرنا وہ آواز بوق
وہ کالے پیادے وہ اُن کے نفیر ‏ ‏ ‏ ‏ کہ تا چرخ پہنچے صدا اُنکی جیسے

وہ آرائش اور گل کئی رنگ کے ۔ وہ ہاتھی کہ وہ دیو تھے جنگ کے

وہ ابرق کی ٹٹی وہ شیشے کی جھاڑ ۔ کہے تو کہ تنکے کی اوجھل پہاڑ

وہ رستہ برابر برابر وہ تخت ۔ کسی پر کنول اور کسی پر درخت

وہ رنگیں درخت اور وہ شمع و چراغ ۔ کھلے جس طرح لالۂ نور باغ

جہانتک نظر آوے اُن کی قطار ۔ طلسمات کی سی ہوا بر بہار

اناروں کا دغنا جھجے کا زور ۔ ستاروں کا چھٹنا پٹاخوں کا شور

اُڑایا ستاروں کو جو آگ نے ۔ تو ہاتھی لگے بن سے پھر بھاگنے

وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار ۔ ہر اک رنگ کی جس سے دونی بہار

دُھواں چھپ گیا نور میں نور ہو ۔ سیاہی اُڑی شب کی کافور ہو

سراسر وہ ہر طرف مشعل کے جھاڑ ۔ کہ جوں نور کے مشتعل ہوں پہاڑ

زری پوش سردار سب یکدگر ۔ پھریں برق کی طرح ایدھر اُدھر

کہے تو کہ نزدیک اور دور سے ۔ زمین و زماں بھر گیا نور سے

جب آئی وہ دُولہن کے گھر پر برات ۔ کہوں واں کے عالم کی کیا تُم سے بات

ہوا اُن کی صحبت کی رشکِ بہشت ۔ دھرے لخلخے گرد عنبر سرشت

کھڑے بادلوں کے وہ خیمے بلند ۔ کریں عالمِ نور جس کو پسند

عجب مسندِ اک جگمگی اور فرش ۔ تمامی کے عالم کا چوکور فرش

بلوریں دھرے شمعداں بیشمار ۔ چڑھی بتیاں موم کی چار چار

نئے رنگ کے اور نئے طور کے
دھرے ہر طرف جھاڑ بلور کے

تماشائیوں کی یہ کثرت تھی بس
ملے ایک سے ایک سب پیش و پس

دو زانو زری پوش بیٹھے تمام
شراب خوشی کے کئے نوش جام

وہ دولہا کا مسند پہ جا بیٹھنا
برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا

طوائف کا اُٹھنا اِک انداز سے
دکھانا وہ آ صورتیں ناز سے

کروں راگ اور ناچ کا کیا بیاں
قدیمی کسی وقت کا سا سماں

وہ ارباب عشرت کا آپس میں مِل
جمانا کھڑک راگ کا رہکے دل

وہ ایمن کی تانیں اِدھر اور اُدھر
ملے سُر طنبوروں کے با یکدگر

اور اُس صف سے اِک چھوکرا کا نکل
جتانا ہنر اپنا پہلے پہل

اُلٹنا وہ ٹھوکر کو دیدے کے تال
وہ بوٹا سا قد اور کھڑے کی چال

کبھی پیر تلوں کی دکھاتی ادا
کہ جوں ٹوٹ کر بجلی ہووے ہوا

کبھی گت بھری ناچنا ذوق سے
کہ تیورا کے عاشق گرے شوق سے

ادھر کی تو یہ گت اور اُس کا یہ بھاو
اُدھر اوٹ میں نائکہ کا بناو

کھڑے ہو کے وو گھونٹ حقے کے لے
چبا پان اور رنگ ہونٹوں پہ دے

انگوٹھے کی لے سامنے آرسی
وہ صورت کو دیکھ اپنی گلنار سی

اُلٹ آستیں اور مہرے کا چاک
نئے سر سے انگیا کو کر ٹھیک ٹھاک

بنا کنگھی اور کر کے ابرو دُرست
جھٹک دامن اور ہو کے چالاک چُست

دوپٹے کو سر پر اُلٹ اور سنبھل ۔ یکایک وہ صف چیر آنا نکل
پکڑ کان اور گھنگروؤں کی اُٹھا ۔ پہن پاؤں میں اپنے سر سے چھوا
اِدھر اور اُدھر رکھ کے کاندھے پہ ہاتھ ۔ چلی ناچتی آنا سنگت کے ساتھ
فتح چند کی ہاتھ کی مور ایک ۔ بجالی ہوئی چاندسی صور ایک
کبھی ناچنا اور گانا کبھی ۔ رجھانا کبھی اور ہنسانا کبھی
خوش آوازیوں سے وہ گانا خیال ۔ دکھانا ہر اک دم میں اپنا کمال
وہ شادی کی مجلس وہ گانے کا رنگ ۔ وہ جی کی خوشی اور وہ دل کی ترنگ
وہ پھولوں کے گہنے کنارے کا ہار ۔ وہ بیٹھی ہوئی رنڈیوں کی قطار
وہ پیڑوں کے پتے پڑے ہر طرف ۔ غم دل جسے دیکھ ہو برطرف
ادھر کا تو یہ رنگ تھا اور یہ راگ ۔ محل میں اُدھر نور یاں اور سہاگ
وہ گہری سی شادی مبارک وہ دھوپ ۔ وہ بولے سلونے وہ میٹھے سے بول
اُترنے کی واں سمدھنوں کی پھبن ۔ کھلیں پھول جیسے چمن در چمن
گلے میں پہننا وہ ہنس ہنس کے ہار ۔ سنا سٹ وہ پھولوں کی چھڑیوں کی مار
دکھانا وہ بن بن کے اپنا بناؤ ۔ وہ آپس کی رسمیں وہ آپس کی چاؤ
قہاقے ہنسی شور و غل آلیاں ۔ سہانی سہانی نئی گالیاں

غرض کیا لکھوں تاب مجھ میں نہیں
نہ دیکھے گا عالم کوئی یہ کہیں

داستان نکاح ہونا بینظیر کا ساتھ بدر منیر کے اور شادی نجم النسا کی پری زاد سے اور رخصت ہونا اُنکا

چھکا ہوں نشے میں بہت ساقیا — مجھے بدلے اب مے کے شربت پلا

کسی پر نہ ایسا ہو جو بار ہوں — کہ پھر میں گلے کا ترے ہار ہوں

ہوا جب نکاح اور بٹے ہار پان — پلا سب کو شربت دیئے ہار پان

اُٹھا پھر تو نوشاہ بعد از نکاح — محل میں بلانے کی ٹھہری صلاح

چلا یوں وہ دولہا دولہن کی طرف — اُڑے جیسے بلبل چمن کی طرف

وہاں تک پہنچنے ہوئے کیا لکھوں — ہوئی دل لگی لاکھ بھر شگوں

ہوا لیکن اُس وقت دونا مزا — کہ دولہا دولہن جب ہوئے ایکجا

عروسی وہ گہنا وہ سوہا لباس — وہ مہندی سہانی وہ پھولوں کی باس

بلا سرخ جوڑے پہ عطر سہاگ — کھلے مل کے آپس میں دونوں کے بھاگ

دکھا مصحف اور آرسی کو نکال — دھرا بیچ میں سر پہ آنچل کو ڈال

نہ تھا وصل اس طرح کا دھیان میں — خدا نے کیا آن کی آن میں

عجب قدرت حق نمایاں ہوئی — کہ جیسے آرسی دیکھ حیراں ہوئی

وہ جلوے کا ہونا وہ شادی کی دھوم — وہ آپس میں دولہا دولہن کی رسوم

کسی نے پسائی سر و پیچ آنکر — کوئی گالیاں دے گئی جا نکر

سہاگا گئی کاں کو کوئی لگا　　گئی کوئی دولہن کی جوتی چھوا
وہ شیریں جو بیٹھی تھی شیریں بنی　　نبات اس کی چینی بنے کو بنی
چتائی نہ بات اُس کو اس گھات سے　　کہ دھکا دیا پھر گھڑی بات سے
زبس دل تو تھا اِس کا ہر جا پہ بند　　سبھی جائے اُسنے چُنی کر پسند
اُٹھائی ڈلی اُسکی آنکھوں سے یوں　　کریں نقش بادام شیریں کو جوں
ڈلی وہ جو ہونٹوں کی تھی لب ملی　　وہ مصری کی مُنہ سے اُٹھائی ڈلی
کمر سے اُٹھائی ڈلی اس طرح　　کہ ہاں ہوں نہیں کی نہیں جسطرح
ذرا پاؤں پڑکے اُٹھانے اُڑا　　نہیں اور ہاں کا عجب غل پڑا
یہ ظاہر کی تکرار تھی بار بار　　وگرنہ دل اِس پاؤں پر تھا نثار
عجب طرح کی رنگ رلیاں ہوئیں　　کہ باتیں وہ مصری کی ڈلیاں ہوئیں
وہ سب ہو چکی جب کہ رسم و رسوم　　سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم
سحر کا وہ ہونا وہ ٹونے کا وقت　　وہ دولہن کی رُخصت وہ رونے کا وقت
کھڑے سب کا لاچار مُنہ دیکھنا　　کہ یارب یہ کیا ہے جہاں بیٹھنا
وہ دولہن کا رو رو کے ہونا جُدا　　وہ ماں باپ کا اور رونا جُدا
نکلتے وہ جانا محل سے جہیز　　کہ چوں چشم سے اشک ہو موج خیز
یہاں موت ہے اہلِ عرفان کو　　کہ جانا ہے اِک دن یونہیں جان کو
وہ جو دردمندی کے ہیں آشنا　　وہ شادی کا لیتے ہیں غم سے مزا

وہ دولہا نے دولہن کو گودی میں لا — بٹھایا محافے میں آخر کو لا
چلے لے کے چنڈول جس دم کہار — کیا دو طرف سے زر اُس پر نثار
کھڑے تھے جو واں چشم کو تر کیے — سو موتی اُنھوں نے نچھاور کیے
اِدھر اور اُدھر اپنے سہرے کو چیر — وہ اِک چاند سا مُنہ دکھا بے نظیر
سوار اپنے گھوڑے پہ ہو کر شتاب — کہ جوں صُبح ہووے بلند آفتاب
دکھاتا ہوا حشمت و عظم و شاں — لئے ساتھ ساتھ اپنے نوبت نشاں
وہ پیچھے تو چنڈول میں رشک ماہ — اور آگے وہ خورشید عالم پناہ
پھرا گھر کو اپنے قدم با قدم — سواری لگا گھر میں اُترا صنم
غرض اس طرح جب وہ دولہن کو بیاہ — لے آیا جہاں اُس کی تھی عیش گاہ
ہوئی وہ جو ہوتی ہے رسم و رسوم — کہ ظاہر میں تھی یہ بھی درکار دھوم
اُٹھایا اسی دھوم میں لگتے ہاتھ — پری زاد کا بیاہ چوتھی کے ساتھ
وہ نجم النسا تھی جو دختِ وزیر — گیا اُس کے والد کنے بے نظیر
کہا باپ کو اس کے اے خیر خواہ — مرا بھائی ہے ایک فیروز شاہ
سو میں تجھ سے رکھتا ہوں اک التجا — کہ تو اُس کو فرزندی میں اپنی لا
غرض ہر طرح کر رضامند اُسے — کیا حال پر اپنے پابند اُسے
پری زاد تھا وہ جو فیروز شاہ — دیا اُس کو نجم النسا سے بیاہ
اُسی دھوم سے اور اُسی فوج سے — اُسی شان سے اور اُسی اوج سے

وہی سب تجمل وہی سب رسوم ۔ ہوئی تھی جو کچھ بیاہ میں اسکے دھوم
دقیقہ نہ چھوڑا کسی بات میں ۔ برابر رہی چہل دن رات میں
اسی طرح اس کو بیاہا غرض ۔ جو کچھ قول تھا سو نباہا غرض
خدا راست لایا انھوں کے جو کام ۔ برآئے دلوں کے مطالب تمام
ہوئیں متصل یہ جو دو شادیاں ۔ بسیں ایک جا چار آبادیاں
پھرے دن تو اپنے وطن کو پھرے ۔ وہ آشفتہ بلبل چمن کو پھرے
خوشی سے لئے حرمت و جاہ و مال ۔ چلے شہر کو اپنے وہ حال حال
وہ نجم النسا اور فیروز شاہ ۔ فلک پر سے ہو مثل خورشید و ماہ
رضا ان سے لیکر اسی آن میں ۔ گئے شاد و خرم پرستان میں
یہ اقرار چلتے ہوئے کر گئے ۔ کہ گو تم ادھر اور ہم ادھر گئے
تم اس غم سے مت ہو جیو سینہ ریش ۔ کہ ہم تم سے ملتے رہینگے ہمیش
تسلی وہ دیکر ادھر کو چلے ۔ یہ ادھر لئے اپنا لشکر چلے

داستان بینظیر کی بدر منیر کو اپنے وطن لیجانے اور وہاں باپ سے ملاقات کرنے میں

پلا ساقیا آخری ایک جام ۔ کہ ہوتی ہے اب یہ کہانی تمام
وہ نزدیک پہنچے جو اس شہر کے ۔ کیا پاس جا خیمہ اک نہر کے

کیا جب کہ خلقت نے تفتیش حال
اور آنکھوں سے دیکھا جو بدر کمال

پڑا شہر میں یک بیک پھر یہ غل
کہ غائب ہوا تھا سو آیا وہ گل

خبر یہ ہوئی جب کہ ناں باپ کو
کیا گم آنسوؤں نے وہیں آپ کو

زبس دل تو تھا یاس ہی سے بھرا
یہ سُن ہاتھ اور پاؤں گئے تھرتھرا

لگے رونے آپس میں زار و نزار
کہا ہائے ہم کو نہیں اعتبار

ملا دینگے ہم سے ہمارا حبیب
یہ دشمن نہیں اپنے ایسے نصیب

یہ ہوگا کوئی دشمنِ ملک و مال
سو میں آپ ہی ہوں گرفتار حال

کوئی اِس کا وارث تو آخر نہیں
وہی لے کے جائے یہ جھگڑا کہیں

کہا سب نے صاحب چلو تو سہی
یہ بیٹا تمھارا وہی ہے وہی

مگر سُنا جب کہ بیٹے کا نانوں
چلا پھر تو روتا ہوا ننگے پاؤں

وہ آتا تھا جیسے کہ بیٹا اُدھر
پڑی باپ پر جو یکایک نظر

جو ہیں اپنے کعبہ کو دیکھا وہاں
چلا سر کے بل بے نظیرِ جہاں

اُٹھا سر قدم پر سے چھاتی لگا
لپٹ کے گھڑی دو تلک خوب سا

یہ رویا یہ رویا کہ غش کر چلا
کہے تو کہ آنسو کا لشکر چلا

ملے پھر تو آپس میں وہ خوب سے
کہ یوسفؑ ملے جیسے یعقوب سے

وہ گل تھا شگفتہ ہوا گل کی طرح
یہ گل کی طرح اور وہ بلبل کی طرح

ہوئے شاد و خرم صغیر و کبیر
چلے لے کے نذریں امیر و وزیر

مے عیش سے سب کو مستی ہوئی — نئے سر سے آباد بستی ہوئی
بڑی دھوم سے اور بڑی آن سے — بجاتے ہوئے نوبتیں شان سے
وہ پھولا جو تھا ہجر کے داغ میں — ہوئے جا کے داخل اُسی باغ میں
زنانی سواری اُتروا کے ساتھ — پکڑ اُس گلِ نو شگفتہ کا ہاتھ
در آمد ہوا گھر میں سرو رواں — لئے ساتھ اپنے غنچہ وہاں
کہ اتنے میں آگے نظر جو پڑی — تو دیکھا کہ ہے راہ میں ماں کھڑی
بہی چشم سے آنسوؤں کی قطار — گرا ماں کے پاؤں پہ بے اختیار
وہ ماں خوب بیٹے سے لگ کر گلے — یہ روئی کہ آنسو کے نالے چلے
بہو اور بیٹی کو چھاتی لگا — وہ دونوں کو دو ہاتھ سے لی ملا
ہوئی جان اور جی سے اُن پر نثار — پیا پانی اُن دونوں پر وار وار
جگر پر جو تھے درد اور غم کے داغ — بجھے وصل سے ہجر کے وہ چراغ
سب آپس میں رہنے لگے مل ملا — پھر آئے چمن میں وہ گل کھلکھلا
وہ آنکھیں جو اندھی تھیں روشن ہوئیں — زمینیں جو تھیں رشکِ گلشن ہوئیں
زبس باپ ماں کو تھی سہرے کی چاہ — دوبارہ انھوں نے کیا اُسکا بیاہ
لکھوں گر میں اُس بیاہ کی دھوم دھام — تو پھر یہ کہانی نہ ہووے تمام
بنا اُن کی تقدیر کا جو بناؤ — نکالے انھوں نے یہ سب دل کے چاؤ
وہ جیسی کہ اس باغ میں تھی خزاں — بسے آ کے پھر اُس میں سب گلرخاں

محل میں عجائب ہوئے چہچہے — وہ مرجھائے گل پھر ہوئے لہلہے
ہوا شہر پر فضل پروردگار — وہی شاہزادہ وہی شہریار
وہی لوگ اور وہ ہی چرچے تمام — وہی ناز و انداز کے اپنے کام
وہی بلبلیں اور وہی بوستاں — شگفتہ گل و جمعِ دوستاں
اُنھوں کے جہاں میں پھرے جیسے دن — ہمارے تمھارے پھریں ویسے دن
ملیں سب کے بچھڑے الٰہی تمام — بحق محمد علیہ السلام
ہوئے جیسے وہ شاد ہوں شاد ہم — رہیں شہر میں اپنے آباد ہم
رہے شاد نواب عالیجناب — کہ ہے آصف الدولہ جسکا خطاب
خوشی اُس کی ہے سرو باغِ مراد — رہے روشن اس کا چراغِ مراد
بحق حسین اور بحق حسن — رہوں شاد میں بھی غلامِ حسن
فدا مصحفو داد کی ہے یہ جا — کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا
زبس عمر کی اس کہانی میں صرف — تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر — تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر
نہیں مثنوی ہے یہ اِک پھلجھڑی — مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں — نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیاں
رہیگا جہاں میں مرا اس سے نام — کہ ہے یادگارِ جہاں یہ کلام
ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا — تب اس طرح رنگیں یہ مضموں کیا

اگر واقعی غور ٹک کیجیے ‌ ‌ ‌ ‌ صلہ اس کا کم ہے جو کچھ دیجیے
غرض حسن نے اس کو سُنا یہ کہا ‌ ‌ ‌ ‌ حسن آفریں مرحبا مرحبا
جو منصف سُنیں گے کہیں گے یہی ‌ ‌ ‌ ‌ نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہو گی کبھی
مرے ایک مشفق ہیں مرزا قتیل ‌ ‌ ‌ ‌ کہ ہیں شاہراہِ سخن کے دلیل
سُنی مثنوی جب یہ مجھ سے تمام ‌ ‌ ‌ ‌ دیا اس کی تاریخ کو انتظام
زبس شعر کہتے ہیں وہ فارسی ‌ ‌ ‌ ‌ ہر اک شعر اُن کا ہے جوں آرسی

اُنھوں نے شتابی اُٹھا کر قلم
یہ تاریخ کی فارسی میں رقم

تاریخ طبعزاد مرزا قتیل

بہ تفتیش تاریخ این مثنوی ‌ ‌ ‌ ‌ کہ گفتش حسن شاعر دہلوی
زدم غوطہ در بحر فکر رسا ‌ ‌ ‌ ‌ کہ آرم بکف گوہر مدعا
بگوشم ز ہاتف رسید این ندا
بہ این مثنوی باد ہر دل فدا

۱۱۹۹ھ

تاریخ طبعزاد مصحفی

میاں مصحفی کو جو بھایا یہ طور — اُنھوں نے بھی کی فکر از راہ غور

کہی ہے گی تاریخ یوں برمحل — یہ بُتخانۂ چین ہے بے بدل

۱۱۹۹ ھ

تاریخ فخر الدین ماہر کی

سُنی جب کہ ماہر نے یہ مثنوی — تو محظوظ ہو فکر تاریخ کی

یہ مصرع پڑھا وہیں پا کر طرح — ہے اس مثنوی کی یہ نادر طرح

۱۱۹۹ ھ

تمام شد

صفحہ ۱

یزداں = خدائے تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام۔ وہ فرشتہ جسے پارسی فاعل خیر مانتے ہیں۔ ثنویہ گروہ کے لوگ آفرینندۂ خیر کو یزداں اور آفرینندۂ شر کو اہرمن یعنی شیطان کہتے ہیں اور اسی طرح آفرینندۂ نور کو یزداں اور آفرینندۂ شر کو اہرمن۔

شہادت کی انگلی = کلمے کی انگلی جو ہاتھ کے انگوٹھے کے پاس ہوتی ہے شہادت کی انگلی یا انگشت شہادت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان نماز میں التحیات پڑھتے ہیں تو کلمۂ شہادت کہتے وقت اسی انگلی کو اٹھاتے ہیں

ربّ العلا = خدائے بزرگ و برتر۔

وحدہٗ لاشریک۔ خدا ایک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔

غفور الرحیم = بخشنے والا اور رحم کرنے والا۔ یہ خدائے تعالیٰ کے دونوں اسم صفت ہیں لیکن اردو کے محاورے میں اکٹھے بولے جاتے ہیں جیسے وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔

عزّوجل = دونوں ماضی کے صیغے ہیں جنکے معنی دوام اور ہمیشگی کے ہو گئے۔ غالب شدہ۔ بزرگ شدہ خدائے تعالیٰ کی تعریف میں کہتے ہیں

الحق۔ تابع فعل۔ حقیقت میں، بیشک

درست - بجا - واقع میں -
غیور = صفت - بہت غیرت کرنیوالا -
ہژدہ ہزار عالم = اٹھارہ ہزار مخلوق -
اٹھارہ ہزار طرح کی مخلوق - صاحب
بہار کا قول ہے کہ دُنیا کے چار حصوں
یعنی جنوب - شمال - مشرق اور مغرب
میں ساڑھے چار ہزار مخلوق ہے -
جنکا مجموعہ اٹھارہ ہزار ہوتا ہے -
کُنِشت = بضم اول وکسر نون وسکون
شین - بتخانہ - آتشکدہ - معبد یہود -
وخشور - جمع نبی - فرستادہ خدا - پیغمبر -
کُن = صیغہ امر حاضر - ہو جا - موجود ہو -
حقیقت کن فکاں - ہو جا پس وہ ہوگئی -
خدائے تعالیٰ نے ہر شے کی طرف جو
اُس کے ذہن میں تھی اور اُسے پیدا
کرنی منظور تھی خطاب کر کے کہا کہ ہو جا
یعنی وجود میں آجا - پس وہ پیدا ہوگئی -
کون و مکاں = دُنیا - جہان - سنسار -
وصی = وہ شخص جسکو وصیت کی گئی ہو -

کنایۃً حضرت علی کرم اللہ وجہ سے
مراد ہے -
امام - پیشوا - ہادی - رہنما - سردار -
شرع = راہ راست - آئین - دستور
وہ سیدھا راستہ جو خدائے تعالیٰ نے
بندوں کے واسطے نکالکر اس پر چلنے
کا حکم دیا - قانون محمدی - قانون اسلام
جو قرآن کے موافق ہے -
نعت = صفت و ثنا - تعریف - مجازاً
خاص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی توصیف -
صلی اللہ علیہ وسلم = ان پر خدا تعالیٰ
کا درود و رحمت اور سلام ہو -
دُرِّ یتیم = دُر یکتا - وہ موتی کا بڑا دانہ جو
سیپی کے اندر سے اکیلا ہی نکلے
اُمّی = لغوی معنی ہیں ماں کے پیٹ سے
نسبت رکھنے والا - یعنی جو حالت جنم
سے پہلے تھی اُسی حالت میں رہنے
والا - اصطلاحاً ناخواندہ - اَن پڑھ -

علم لدنی = وہ علم جو کسی کو خدا تعالیٰ
کے پاس سے محض اسکے فیض سے
بلا محنت کے اور بغیر اُستاد کی مدد کے
حاصل ہو (عربی میں لدن کے معنی
نزدیک اور پاس کے ہیں)

تقویم = جنتری

مسیح = مسح کیا گیا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ
علیہ السّلام کے سر پر فرشتوں نے
تیل ملا تھا۔ اس وجہ سے یہ لقب
پڑ گیا۔ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے
حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے
اسی لئے انکو روح اللہ کا خطاب دیا
گیا۔ آپ میں مردہ کو جلانے اندھے
کوڑھی لنگڑے لولوں کے اچھا کرنے
کا معجزہ تھا۔ آپ قم باذن اللہ کہکر
مُردوں کو جلایا کرتے تھے۔ یہودی
آپ کے دشمن ہو گئے تھے۔ ایک روز
انھوں نے کسی مکان میں آپ کو
گھیر لیا۔ وہاں شیوع نامی
ایک شخص جو یہودیوں کا سردار تھا۔
آپ کے قتل کو گھس گیا۔ خدائے تعالیٰ
نے چھت پھاڑ کر آپ کو تو اُٹھا لیا۔
اور اسکی صورت عیسیٰ سے مشابہ کر دی
جسکو ان لوگوں نے عیسیٰ سمجھ کر مار ڈالا۔
عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ وہ اُمت کے
گناہوں کے کفارہ ہوئے اور صلیب
پر چڑھائے گئے اہل اسلام اِن کو عیسیٰ
کے نام سے پکارتے ہیں اور عیسائی
مسیح کہتے ہیں۔

ابراہیمؑ = ایک پیغمبر کا نام ہے جو حضرت
محمد صلعم کے اجداد میں تھے۔ آپ کا
لقب خلیل اللہ تھا۔ سب سے پہلے
ابراہیم آپ ہی کا نام ہوا جسکے معنی
باپ مہربان۔ باپ کا نام آزر تھا۔
آپ کے بدن سے مشک کی خوشبو
آتی تھی۔ درندے آپ سے باتیں
کرتے تھے۔ نمرود کے ڈر سے آپ نے
مدت تک ایک غار میں پرورش

پائی۔ سولہ برس کی عمر میں آپ کو نمرود
نے آگ کے ڈھیر میں ڈالدیا تمام
آگ گلزار بن گئی۔ خانۂ کعبہ کو جسکی
حضرت آدم نے بنا ڈالی تھی اور
طوفان نوح میں معدوم ہو گیا تھا
آپ نے از سر نو تعمیر کیا۔

سلیمانؑ۔ قوم بنی اسرائیل کے
بادشاہ اور حضرت داؤد کے بیٹے
کا نام جو حضرت عیسیٰ سے ۱۰۱۵
برس پہلے تخت نشین ہوئے تھے
انکا عہد بہت مشہور ہے۔ انھوں
نے ایک معبد بنوایا تھا جسکا نام
بیت المقدس ہے۔ ان کے مذہبی
مسائل کل ایک ہزار پانچ ہیں ۔
ان کے عہد میں بنی اسرائیلیوں کی
بادشاہت کو بڑا عروج ہوا ۔
حضرت عیسیٰ سے ۹۷۵
برس پیشتر وفات پائی۔ اکثر لوگوں
کا قول ہے کہ تمام جن وانس انکے
تابع تھے اور آپ تمام حیوانات
سے خدمت لیتے تھے۔ روایت ہے
کہ کسی چیونٹی نے انکی اور ان کے تمام
لشکر کی ضیافت کی اور اس بات سے
بحکم خدا دکھا دیا کہ جو قدرت اور
سخاوت تم میں ہے وہ خدا تعالیٰ
نے ادنیٰ کیڑے میں بھی دی ہے

خضر = یہ لفظ بکسر اول وسکون دوم
اور بفتح اول وسکون ثانی اور بکسر
اول و فتح دوم تینوں طرح سے
اساتذہ ہند و فارس کے یہاں پایا
جاتا ہے ایک پیغمبر کا نام جنکا معجزہ
یہ تھا کہ جہاں بیٹھے وہاں سبزہ نمودار
ہو جاتا یا جس جگہ سے گذر جاتے وہ
جگہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتی۔
چنانچہ اسی وجہ سے یہ نام پڑ گیا کیونکہ
خضر بمعنی سبز و سبز کلام ہے۔ ایشیائی
لوگ انکو دریا اور صحرا کا پیغمبر مانتے
ہیں اور انکا خیال ہے کہ سکندر کو

آب حیات تک یہی لے گئے تھے جسکے
پینے سے انکو عمر جاوداں نصیب ہوئی
مگر سکندر محروم رہا۔ سمندر۔ دریا۔
جنگل۔ بیابان وغیرہ کا انکو راہبر خیال
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھولے بھٹکوں
کو راستہ بتانا انکا کام ہے۔

ایک انگریزی مورخ کا بیان ہے
کہ خضر شاہانِ قدیم میں سے ایک
بادشاہ کا وزیر تھا جسے سکندر یا
یا قیقباد کہتے تھے مگر یہ سکندر مقدونیہ
والا سکندر اعظم نہیں ہے۔ بعض انکو
حضرت الیاس بھی قرار دیتے ہیں۔
چنانچہ اہلِ یورپ انھیں خضر الیاس
کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ
اِن دونوں کی حیات بدستور خیال
کیجاتی ہے۔

داؤد = اصل عبرانی بمعنی محبوب و عزیز
ایک مشہور پیغمبر کا نام جو بادشاہ اور
نبی دونوں تھے۔ آپ کے والد بزرگوار
کا نام ایشا تھا۔ کتاب زبور یعنی وثیقہ
جدید آپ ہی پر نازل ہوئی۔ آپ اس
درجہ خوش الحان تھے کہ جس وقت زبور
کے زمزموں میں حمد باری ادا فرماتے
تو انسان اور حیوانات کا ہجوم ہوجاتا
آپ کا معمول تھا کہ راتوں کو گلیوں
میں گشت لگاتے۔ رعیت کا حال بچشم
خود دیکھتے اور اجنبی بنکر پوچھتے کہ
داؤد مخلوق سے کس طرح پیش آتا
ہے۔ آپ کی عمر سو یا ایک سو بیس برس
کی ہوئی۔

کحل۔ سرمہ۔

صفحہ ۵

منقبت۔ صفت وثنا۔ بزرگانِ دین
کی تعریف۔ مدح ائمہ کبار و اصحاب
رسول کریم صلعم۔

امیر المومنین۔ مسلمانوں کا سردار۔

خلیفہ وقت۔ اسلام کا اعلیٰ حاکم۔

علیہ السلام۔ اس پر سلام ہو۔

ولایت = اقلیم - ملک - حکومت - سلطنت -

سرّ - بھید - راز -

خفی = پوشیدہ - مخفی -

جلی = روشن - آشکارا - ظاہر - نمایاں -

سالک - راہ رو - راہ چلنے والا - پابند شرح - زاہد - درویش - خدا پرست -

بتول = لغوی معنی کواری - تارک - اصطلاحی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لقب -

صفحہ ۱۶

فاطمہ - بچہ کو دودھ پلانے والی، نام مبارک ہے جگر گوشہ حضرت رسول مقبول صلعم - سیدالنسا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا جو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی زوجہ مطہرہ اور حضرت حسنین علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں ۔ اصحابیوں میں سے بس عورتیں اس نام کی ہوئی ہیں -

حسن - حضرت ابو محمد امام دوم کا اسم گرامی - تاریخ تولد ۱۵ رمضان المبارک سنہ ۳ ہجری ہے - آپ ۲۸ صفر سنہ ۵۰ ہجری کو پانی میں زہر دے جانے سے شہید ہوئے - بروایت اہل شیعہ ۸ برس ۲ مہینہ اور بروایت دیگر مورخین صرف چھ مہینہ خلافت فرمائی - جنۃ البقیع میں دفن ہوئے - آپ کے والد کا نام حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ہے -

حسین ابن حیدر - حضرت ابو عبداللہ امام سوم کا اسم مبارک جن کا لقب سیّد الشہدا ہے - تاریخ ولادت آخر ربیع الاول سنہ ۴ھ مقام مولد مدینہ منورہ - ایام امامت گیارہ سال گیارہ مہینہ تین یوم - آپکی شہادت بحکم یزید ابن معاویہ و بکوشش عبداللہ ابن زیاد دسویں ماہ محرم الحرام

سنہ ۶۱ ہجری روز جمعہ کو بمقام کربلا ہوئی - اُس وقت آپ کی عمر ستاون سال تین مہینہ اور دس روز تھی - والد ماجد آپ کے حضرت علی کرم اللہ اور والدۂ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہرا بنت رسول کریم تھیں

اثنا عشر = بارہ - مراداً بارہ امام -

صغیرہ - کبیرہ - چھوٹے اور بڑے گناہ -

مہدی = مسلمانوں کا بارہواں یا آخیر امام جسکا ظہور قرب قیامت میں ہوگا - لغوی معنی ہادی - رہنما -

اصحاب = جمع صاحب - دوست - مصاحب - وہ لوگ جو حضرت رسول خدا صلعم کی مصاحبت میں بیٹھے - جنہوں نے آنحضرت کو حالت پیغمبری میں دیکھا -

آل - اولاد - نسل -

مناجات - کسی سے اپنا بھید کہنا مجازاً طلب نجات کے واسطے خدا کی درگاہ میں اُسے حاضر جانکر اسطرح دعا کرنا جسطرح سامنے بیٹھ کر باتیں کیا کرتے ہیں - دعا - التجا -

قاضی الحاجات = حاجت اور مراد بر لانے والا - مجازاً خدا تعالےٰ -

آمرزگار = بخشنے والا - رحیم - خدا کی صفت ہے -

مفتوح = کھولا گیا - باز رکھا گیا -

باب = دروازہ - در -

رستم = فارس کے مشہور پہلوانوں میں سے ایک پہلوان کا نام جو زال بن سام بن نریمان کا بیٹا تھا عیسیٰ سے تقریباً نوسو برس پہلے موجود تھا -

گیو = گودرز کے بیٹے کا نام جو ایران کے مشہور پہلوانوں میں ہوا ہے - کہتے ہیں کہ کیخسرو اس کو ترکستان سے ایران میں لایا تھا -

افراسیاب = توران کے ایک نامی بادشاہ کا نام ہے جو ایران کے کیانی

بادشاہوں کے ساتھ مدتوں لڑتا
رہا اور آخر کیخسرو بن سیاؤس کے
زمانے میں مارا گیا۔
خدیو = بادشاہ مصر کے بادشاہوں کا
لقب۔
باگھ = شیر۔
پروانگی = اجازت۔
اُحیاناً = اتفاقاً۔

صفحہ ۱۰

حاتم - بن عبداللہ بن سعد طائی یمنی۔
کاملان عرب میں سے تھا فنون جنگ
فن عروض اقسام سخن سے خوب
واقف تھا۔ اس نے سخاوت میں
یہاں تک نام پایا کہ شاعروں اور
افسانہ نگاروں نے دیگر سخیوں کے
قصے بھی اسی کی طرف منسوب کر دئے
ہیں۔ حاتم ۵۳۵ء میں موجود تھا۔

صفحہ ۱۱

فلاطوں = افلاطوں۔ لغوی معنی
نہایت چوڑے چکلے سینے والا۔
ایک بہت بڑے یونانی حکیم کا نام
جسکا باپ ارسطو اور دادا ورشاکلس
ہے افلاطوں نے فن کشتی دایانس
اور ارسطوں پہلوانان معلم کشتی سے
حاصل کیا۔ جب فن کشتی میں مہارت
حاصل کر لی تو شاعری اور موسیقی کی
کی طرف مائل ہوا۔ ارغنوں باجا اسی
نے نکالا بیس سال کی عمر میں سقراط
کا شاگرد ہو گیا۔ سقراط کی موت کے
بعد اس نے ساری دنیا کا سفر کیا
وہ شہر اتھنز میں ۴۲۹ برس قبل
مسیح پیدا ہوا۔ اور اسی شہر میں ۳۴۷
ق، م۔ اس عالم فانی سے کوچ کر گیا
صاحب تاریخ الحکماء نے لکھا ہے کہ
۹۵۰ کتابیں افلاطوں کی تصنیفات
سے میں نے بچشم خود دیکھی ہیں۔
ارسطو = مخفف ارسطوطالیس جو یونانی
لغت میں بمعنی کامل و فاضل آیا ہے

ارسطو کے ماں باپ کا اسکے بچپن ہی
میں انتقال ہو گیا تھا۔ اسکی تعلیم نہایت
معقول ہوئی تھی اور چھوٹی سی عمر ہی
میں نحو۔ ادب۔ معانی۔ بیان۔ سب
میں مہارت حاصل کر لی تھی یہ افلاطون
کا شاگرد تھا۔ افلاطون کی وفات کے
بعد فیلقوس نے اسے سکندر کی تعلیم
و تربیت کے لئے مقرر کر دیا فیلقوس
اسکی محنت سے بہت خوش ہوا اور اس
کارگزاری کے عوض میں ہر کوچہ و برزن
میں اس کا بت تراشوا کر نصب کر دیا
یہ حکیم بمقام اسطاجیر (اصطاغیر)
۳۲۲ قبل مسیح میں پیدا ہوا اور
۳۸۴ قبل مسیح ۱۱ برس کی عمر میں
عالم بقا کو روانہ ہوا۔

کبود۔ نیلا۔ آسمانی۔

مصاف = صف باندھنے کی جگہ۔
میدانِ جنگ۔ رزمگاہ۔ مجازاً
جنگ۔ لڑائی۔ رزم۔

صفحہ ۱۲

وحید زماں = زمانہ بھر میں یکتا۔ یگانہ۔

غوامض = غامضہ کی جمع چھپی ہوئی
باتیں۔ بھید۔ باریکیاں۔

کھلے بند۔ بے تکلف۔ آزادانہ۔

فتراک۔ شکاربند۔ وہ چمڑے کے
تسمے جو زین کے دائیں بائیں جانب
شکار یا ضروری سامان باندھنے کے
واسطے لگے ہوتے ہیں۔

سوس = گھڑیال۔ ایک قسم کا مگرمچھ۔
ایک آبی جانور کا نام جو پانی پر اکثر مشک
کی طرح تیرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

صفحہ ۱۳

ہوڑ = برابری۔ مقابلہ۔ شرط۔

رود نیل = دریائے نیل۔ مصر کے
ایک مشہور دریا کا نام۔

عماری = ہاتھی کا ہودج یا ہودا جو
اس کی پیٹھ پر رکھتے ہیں۔

صفحہ ۱۴

گیتی پناہ = دُنیا کی حفاظت کرنے والا

منال = مال ۔ زر ۔ دولت ۔

خطا = ایک شہر کا نام ہے جو مابین ترکستان اور چین و توران کے واقع ہے ۔

ختن = ایک شہر کا نام جو ملک چین میں ہے ۔

مینوسواد = بہشت نظیر جس کے اطراف بہشت جیسے ہوں مینو بمعنی بہشت ۔ سواد بمعنی اطراف ۔

صفحہ ۱۵

گچ = چونہ ۔ آہک ۔

اہل حرفہ = دستکار لوگ ۔ کاریگر ۔

صفحہ ۱۶

مزرع آخرت = آخرت کی کھیتی ۔ نیکی ۔

لاتقنطو = خُدا کی رحمت سے ناامید نہو

صفحہ ۱۷

اہل تنجیم = نجومی ۔

نمط = طور ۔ طریقہ ۔ ڈھنگ ۔

صفحہ ۱۸

زحل = ایک ستارہ کا نام جو نحس ہے اور ساتویں آسمان پر ہے ۔

مشتری = ایک ستارے کا نام جو چھٹے آسمان پر ہے ۔ منجم اسے سعد اکبر مانتے ہیں ۔

صفحہ ۱۹

چنگ = ایک قسم کا باجا ۔

رباب = ایک قسم کی سارنگی ۔

صفحہ ۲۰

تہنیت = مبارک بادی ۔

سکندر = مخفف اسکندر ۔ لغوی معنی لہسن ۔ اور محافظ ۔ اس نام کے دو نہایت مشہور بادشاہ گذرے ہیں جنکے زمانہ میں باہم بہت تفاوت ہے ۔ اول کو ذوالقرنین اکبر کہتے ہیں اور اسی کے وقت میں حضرت خضر علیہ السلام کا ہونا ثابت کرتے ہیں

قرآن شریف میں اسی ذوالقرنین
کی طرف اشارہ ہے بعض مورخوں
کا بیان ہے کہ جسے فریدون کہتے
ہیں اسی کا نام سکندر ہے۔
دوسرے کا نام سکندر رومی
یا سکندر اعظم ہے جو مقدونیہ کے
بادشاہ فیلقوس کا بیٹا تھا۔ یہ بڑا
زبردست فاتح تھا اور اس نے
مشرق سے مغرب تک ممالک فتح
کئے ہیں اور شاید اسی وجہ سے اسکو
بھی ذوالقرنین کہنے لگے۔

صفحہ ۲۱

تُرہی = ایک قسم کی لمبی نفیری جو
شادیوں میں بجتی ہے۔
قرنا۔ نرسنگا۔ سینگ کا بگل۔
کھرج = سات سروں میں سے پہلے
سُر کا نام۔ سُر بلندی و پستی کے
اعتبار سے سات درجوں پر منقسم
ہیں۔ کھرج پہلے سُر کا نام ہے
جو سب سے پست ہے اور مخرج اسکا
ناف ہے اسکی آواز مور کی سی
ہوتی ہے۔

صفحہ ۲۲

مردنگ = ایک قسم کی ڈھولک۔ جو
طبلہ نما ہوتی ہے۔
کھماج = ایک راگنی کا نام جو کانہڑا
راگنی میں اور راگنیوں کا رنگ
ملا کر بنائی گئی ہے۔
سُرب = وہ تار جو اصل تار کی مدد
یا اُس کے واسطے اکثر مزامیر مثل
ستار اور سارنگی وغیرہ میں ہوتا ہے۔

صفحہ ۲۳

پرملو = ایک قسم کے ناچ کا نام جسکا
اصول نہایت مشکل ہے۔
چھبی = خوبصورتی حسن۔
برن = تعریف۔ سراپا۔ کسی کے
جسم کی سر سے پاؤں تک تعریف۔
دھرپت = دُھرپد ایک قسم کا ہندی

راگ ۔ ترانہ۔

لولی = رقاصہ ۔ ناچنے گانے والی عورت
لغوی معنی خوبصورت ۔

مجیرا = وہ چھوٹی چھوٹی پیتل کی کٹوریاں
جو طبلے کے ساتھ میں تال دینے
کے واسطے دونوں ہاتھوں سے
بجاتے ہیں۔

پکھاوج = ایک قسم کی ڈھولک ۔
مردنگ ۔

صفحہ ۲۴

چھٹی = بچہ پیدا ہونے کے چھ روز
بعد کی رسم جس میں مہمان جمع
ہوتے ہیں۔

زربفت = بہ زربافتہ ۔ ایک قسم کا
کپڑا جو کلابتون سے بنا جاتا ہے
کمخواب ۔

مقیش = تار ہائے زر و نقرہ یعنی سونے
چاندی کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا۔

صفحہ ۲۵

مغرق = چمکتی ہوئی ۔ جگمگاتی ہوئی۔

لخلخہ = قمقمہ ۔ قندیل ۔ کئی خوشبوؤں
کا مجموعہ جسے ملا کر سونگھتے ہیں ۔

مشام = دماغ ۔ سونگھنے کی جگہ ۔
داصل میں بہ تشدید میم دوم تھا
مگر فارسی و اردو میں بہ تخفیف
میم مستعمل ہے ۔ درحقیقت یہ لفظ
جمع کا صیغہ بمعنی واحد مروج ہو گیا
ہے ۔ کیونکہ مشم صیغہ اسم ظرف
کی جمع مشام ہے جو شم مصدر سے
ماخوذ ہے ۔ پس میم کو میم میں ادغام
کرکے مشم و مشام بنا لیا۔

گل اشرفی = ایک قسم کا گول پھول۔

شبو = ایک قسم کا سفید پھول جس میں
بھینی بھینی خوشبو آتی ہے اور رات
کے قریب کھلتا ہے ۔ اس کے
درخت کا بھی یہی نام ہے ۔

مدن بان = ایک مشہور پھول کا
نام جو بیلے کے قسم سے ہے ۔

صفحہ ۲۶

جعفری = ایک قسم کا زرد گیندے کا پھول۔

پنیری = چھوٹے چھوٹے بوٹے پھول کے چھوٹے چھوٹے پودے۔ پنیر وہ کیاری جسمیں سے پودا اکھاڑ کر دوسری جگہ لگاتے ہیں۔

جدو تد (قدیم اُردو) جب اور تب کبھی کبھی۔

پرے = صفیں۔ قطاریں۔

صفحہ ۲۷

دوا ۔ وہ عورت جو بچوں کی پرورش کے واسطے نوکر ہو۔

چہل = ہنسی ۔ مزاح ۔ خوش طبعی ۔

ریل ۔ کثرت ۔ زیادتی ۔

کیتکی ۔ ایک مشہور خوشبودار جو کیوڑے کے درخت سے مشابہ ہے ۔ اس کا پھول انڈے کے مانند ہوتا ہے ہندی شعرا کا خیال ہے کہ بھونرا اس پر عاشق ہے ۔

صفحہ ۲۸

مقابہ ۔ سنگاردان ۔

اتالیق = ادب سکھانے والا ۔

نحو = طور ۔ طریق ۔ ڈھنگ ۔

صفحہ ۲۹

نسخ = عربی کے ایک مشہور قدیمی خط کا نام جس نے اگلے پانچ خطوں کو اپنی خوبی کے آگے منسوخ کر دیا تھا۔

ریحان = ایک قسم کے خط کا نام ۔

غبار = ایک قسم کا خط جو دو الگ الگ کاغذوں پر لکھا جاتا ہے اور دونوں کاغذوں کو ملاؤ تو پڑھا جاتا ہے ورنہ ایک غبار سا معلوم ہوتا ہے اور پڑھنے میں نہیں آتا ۔

رقاع = جمع رقعہ چھ خطوں میں سے ایک خط کا نام ۔

سوفار = تیر کا وہ سوراخ یا شگاف جو تیر کے گز میں جس طرف سے کمان میں

رکھتے ہیں اس جانب ہوتا ہے۔
اور اُسے چلاتے وقت چلّہ میں
رکھ کر چھوڑتے ہیں۔ وہاں تیسر
تفنگ۔ ہوائی بان۔

صفحہ ۳۰

آئینہ بندی کرنا۔ شیشہ۔ آلات بلّور
وغیرہ سے مکان آراستہ کرنا۔ جھاڑ
فانوس۔ کنول اور دیوارگیریوں
وغیرہ سے محل سجانا۔

صفحہ ۳۲

سنگ پا = جھانوا۔
سہیل = ایک مشہور ستارے کا نام
اس کی تاثیر سے چمڑے میں خوشبو
پیدا ہو جاتی ہے اور کل حشرات الارض
مر جاتے ہیں۔
جھلابوری = چمکیلی۔ زرق۔ برق۔
چمکدار۔
ماہی مراتب = وہ اعزازی نشان
جو بادشاہوں کی سواری کے آگے

آگے ہاتھیوں پر چلتے ہیں۔ اصل میں
یہ سات شکلیں اعتبار سیارات بہ تفصیل
ذیل ہوا کرتی ہیں۔ ہیکل۔ آفتاب یعنی
سورج کا نشان۔ نشان پنجہ۔ نشان
میزان۔ اژدہا پیکر۔ سورج مکھی۔
مچھلی۔ گولہ یعنی کرہ۔

صفحہ ۳۴

کوتل = وہ گھوڑا جو امیروں کی سواری
کے آگے آگے ساز سے آراستہ و پیراستہ
محض زینت کی غرض سے چلتا ہے۔
روح القدس۔ پاک روح مسلمانوں کے
نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام اور
عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق
خدائے تعالیٰ کی وہ حالت جبکہ روحوں
کو ہدایت بخشتا اور ترغیب نیک دیتا ہے۔
میگھ ڈمبر۔ جو اصل میگھ امبر تھا ایک
قسم کی رکھ تماشا یانہ عماری کا نام۔
جو ہاتھی کے اوپر رکھی جاتی ہے۔
اسکی دو برجیاں آگے پیچھے ہوتی ہیں

جس میں بادشاہ یا راجہ بیٹھتا ہے۔

صفحہ ۳۵

لُنج = ہاتھ پاؤں سے معذور۔

وضیع = ادنیٰ۔ کمینہ۔ شریف کا نقیض

کہیں مہیں = چھوٹے بڑے۔ ادنیٰ و اعلیٰ۔

بار الٰہ = خدائے بزرگ۔

صفحہ ۳۷

فرق = پیشانی۔

سیمبر = چاندی کے سے جسم والا حسین خوبصورت۔

اَوچھپر = ایک طرح کی آرائش پلنگ کی۔ اس میں اور پلنگ پوش میں صرف اتنا فرق ہے کہ اُسے کسے کسائے پلنگ پر ڈالتے ہیں اور اسکے نیچے بچھا کر اُس پر بچھونا کرتے ہیں۔ یہ ایک بڑی چادر ہوتی ہے جسکا آدھ آدھ گز کے قریب حاشیہ نیچے لٹکتا رہتا ہے اور یہ حاشیہ کارچوبی یا کلابتونی کام سے مزین ہوتا ہے۔

بکس رہنا - پژمردہ ہونا شکستہ خاطر ہونا۔

ہیہات = افسوس۔ دریغ۔

حُزن = غم و اندوہ۔ رنج و ملال۔

گُل اشرفی = ایک پھول ہے جو گول اور زرد اشرفی سے مشابہ ہوتا ہے

صفحہ ۴۳

ریحاں = ایک خوشبوناک پودے کا نام جو تلسی کی قسم میں سے ہے۔

مطلّا = زراندودہ۔ سنہری۔ زریں۔

مشبّک = جالیدار۔ وہ شے جسمیں سوراخ سوراخ ہوں۔

سقف = چھت۔

وحش = صحرائی جانور۔

صفحہ ۴۴

شب چراغ = ایک قسم کے لعل کا نام جو رات کو چراغ کی مانند چمکتا ہے۔ اس کا قصہ یوں مشہور ہے کہ دریائی

گاے جو دیگر حیوانات کی مانند ہوتی
ہے اور دریا کے اندر رہتی ہے ۔
جب رات کے وقت چرنے نکلتی
ہے تو اس جواہر کو منہ سے نکال کر
زمین پر رکھ دیتی ہے اور اسکی روشنی
میں چرتی پھرتی ہے ۔ جہاں چرچکی اس
گوہر بے بہا کو منہ میں رکھا اور غوطہ
لگا گئی ۔ شکاری اس کی گھات میں
رہ کر اس لعل کو اڑا لاتے ہیں ۔
واللہ اعلم ۔

گھڑیال = پیتل کا گھنٹہ جو اکثر امیروں کے
دروازوں پر یا مندروں میں لگا رہتا ہے
اور گھڑیوں کے حساب سے بجایا
جاتا ہے ۔

ارغنوں ۔ ارغنوں ایک قسم کا باجہ ہے
جو افلاطوں نے ایجاد کیا تھا ۔
آرگن ۔

صفحہ ۴۵

قضا و قدر = وہ حکم جو خدا تعالیٰ نے
ازل میں کل کائنات کی نسبت لگائے
ہیں مگر ان دونوں میں فرق ہے ۔
یعنی قضا تو وہ حکم ہے جو مجموعتاً و
و جملاً روز ازل میں تمام کائنات
کی نسبت ہو چکا ہے اور قدر وہ حکم
ہے جو بتدریج حکم ازلی (قضا) کے
موافق ہر ایک فرد کی نسبت علیحدہ
بالتفصیل ہوتا رہتا ہے ۔ پس قضا کو
آمر (حکم کنندہ) کہنا چاہیئے اور قدر
کو مامور (حکم کردہ شدہ) ۔

دیار = بلاد ۔ ملک ۔

چہل = خوش طبعی ۔ زندہ دلی ۔

صفحہ ۴۶

گزک = وہ چیز جو تبدیل ذائقہ کے
واسطے کھاتے ہیں ۔ نقل ۔

آفاق = عالم ۔ سنسار ۔ دنیا ۔

گزند = رنج ۔ نقصان ۔

مچلکا = اقرار نامہ ۔ عہد نامہ کسی کام
کے نہ کرنے کا تحریری عہد ۔

بادپا = تیز قدم - ہوا کی طرح تیز چلنے والا گھوڑا -

شب کور = رتوندیا -

صفحہ ۴۸

رخش = گھوڑا -

توسن = تند اور سرکش گھوڑا -

صفحہ ۴۹

طرفہ = انوکھا - عجیب -

محراب - لغوی معنی ہتھیار - سلاح - اصطلاحی معنی وہ قوس یا کمان جو مسجد میں کعبہ کی طرف امام کے کھڑے ہونے کیواسطے بنی ہوئی ہوتی ہے - طاق

مغرق = جگمگاتا ہوا - سونے یا چاندی میں لپا ہوا -

تمامی - ایک قسم کا ریشمی کپڑا -

صفحہ ۵۰

ملبب = اوپر تک بھری ہوئی -

سما = آسمان - فلک -

خروس = مرغ -

تنگیرہ = وہ کپڑا جو اوس کی نمی سے محفوظ رہنے کے لئے پلنگ چھپر کھٹ کی طرح لگا دیتے ہیں -

الماس = ہیرا - ایک قیمتی پتھر -

ایک راس کے - ایک طرح کے یکساں -

صفحہ ۵۱

بصارت = نظر - بینائی -

صفحہ ۵۲

خاتم = انگوٹھی -

چار چاند لگانا = عزت بڑھنا - عالی مرتبہ ہونا - توقیر بڑھنا -

صباحت = خوبروئی - جمال -

صفحہ ۵۳

دھکدھکی = بے قراری -

جہانگیری = ہاتھ کے ایک جڑاؤ زیور کا نام -

سراپا = معشوق کے جسم کی اول سے آخر تک نظم میں تعریف -

انگ - بدن - جسم -

سیوتی = ایک قسم کا سفید گلاب۔

صفحہ ۵۴

رطب و یابس = تر و خشک۔ اچھا برا۔ بد و نیک۔

ذقن = زنخداں۔ ٹھوڑی۔

صفحہ ۵۵

کبک = چکور۔

ذوالجلال = صاحب جلال شوکت و دبدبہ والا۔

صفحہ ۵۶

نیمہ = ایک قسم کی اونچی پوشاک۔

ششدر رہنا = ہوش و حواس نہ رہنا سُدھ نہ رہنا۔

بھچک رہ جانا = حیران و متحیر ہو جانا حیرت میں رہنا۔ ہکا بکا ہو جانا۔

سانٹھ لینا = باہم ملانا۔

مشاطہ = وہ عورت جو دلہن کے سر میں کنگھی چوٹی کرے۔ سرمہ لگائے۔ ابٹنا ملے اور بناؤ سنوار

کر بیٹھائیے۔

خوں بہا = وہ نقدی جو مقتول کے وارث بعوض خون لیں۔

صفحہ ۶۰

موشگافی = نکتہ چینی۔ باریک بینی چھان بین۔

من بھائے منڈیا ہلائے = کہاوت۔ ظاہر میں نفرت۔ باطن میں رغبت انکار کی صورت میں اقرار۔

صفحہ ۶۲

صہبا = ایک قسم کی لال شراب۔

قِران = نزدیکی۔ قربت۔ دو ستاروں کا ایک برج میں جمع ہونا۔

بدن چرانا = شرم سے سکڑنا اپنے جسم کو چھپانا۔

پسینے پسینے ہونا = عرق عرق ہونا شرمندہ ہونا۔

صفحہ ۶۴

مشورے سے۔ خوشامد سے۔ منت

سماجت ہے۔

قیل و قال۔ گفتگو۔ بات چیت بحث۔

صفحہ ۵۵

بنی = دُلہن۔ عروس۔

فام = رنگ۔ لون۔

سواد = نواح۔ اطراف۔ سیاہی۔

لکھوٹا۔ پان یا شہاب وغیرہ کی وہ سُرخی جو عورتیں مسّی ملنے کے بعد ہونٹوں پر لگا لیتی ہیں۔

ڈلاک۔ چمک۔ تاب۔

ثریا = وہ چھ ستارے جو باہم متصل واقع ہیں۔

صفحہ ۶۱

بھجبند۔ ایک زیور کا نام ہے جسے بازو بند کہتے ہیں۔

آویزہ = ایک قسم کا زیور ہے جو کان میں پہنا جاتا ہے۔ بندا۔

لخلخہ = وہ دوا جو تقویت دماغ کے واسطے ترکیب دیکر بنائی جاتی ہے کئی خوشبوؤں کا مجموعہ جسے ملا کر سونگھتے ہیں۔

صفحہ ۶۸

تورہ پوش = خوان پوش۔ تورہ مختلف کھانوں کے خوان کو کہتے ہیں جو شادی وغیرہ کے موقع پر تقسیم کئے جاتے ہیں۔

عش عش کرنا = بہت خوش ہونا۔ تحسین و آفریں کرنا۔ (یہ لفظ عربی میں اشاش تھا۔ جس کے معنی خوشی منانے کے آتے ہیں۔ اُردو والوں نے اسے بگاڑ کر اش اش کر لیا اور یہاں تک تصرف کیا کہ عین سے عش عش لکھنے لگے)

صفحہ ۷۴

اندھا کنواں۔ وہ کنواں جس میں پانی نہ ہو۔ چاہ تاریک

صفحہ ۷۵

صعوبت = سختی۔ دشواری۔

آب حیات - آبِ حیواں - پہلے لوگوں
کا خیال تھا کہ بحرِ ظلمات میں ایک
ایسا چشمہ ہے جسکا پانی پی لینے سے
آدمی کبھی نہیں مرتا - حضرت خضر
علیہ السلام سکندرِ اعظم کے واسطے
اُس چشمہ کے رہنما بنے تھے بعضے
کہتے ہیں کہ سکندر وہاں پہنچ تو گیا
تھا لیکن اس نے وہ پانی پیا
نہیں اور بعضے کہتے ہیں پہنچا ہی
نہیں - حضرت خضر کے متعلق سب
متفق ہیں کہ وہ اس چشمہ پر پہنچے
اور اُنھوں نے پانی پیا اور وہ
آج تک زندہ ہیں -

مخلصی - رہائی - نجات - چھٹکارہ

صفحہ ۷۸

نپٹ = نرا - بالکل - سراسر -

مضمحل = اُداس - غمگین - نحیف -
ناتواں -

کفک = مہندی لگا ہوا پانو لگانا

فندق - سرِ انگشت حنابستہ -
ولایت کے ایک مشہور میوے کا
نام جو بہت سُرخ اور جھاڑی کے
بیر کے برابر ہوتا ہے کیونکہ وہ سرِ
انگشت حنابستہ سے بہت مشابہت
رکھتا ہے اس لئے انگلیوں کے
سُرخ سروں سے مراد لیتے ہیں

صفحہ ۷۹

سرسائی = افراط - بہتات -

کُچ = پستان - چھاتی -

چھب تختی = سینے اور جسم کی خوبصورتی
(اگرچہ تمام اُردو شعراء نے
چھب تختی باندھا ہے اور بول
چال میں بھی یہی ہے لیکن صحیح
چھب تقطیع ہے - کیونکہ تقطیع معنی
وضع قطع اس معنی میں شعراءِ فارس
کے یہاں استعمال ہوا ہے)

صفحہ ۸۰

شکیب = صبر - آرام - تحمل -

صفحہ ۸۱

اغماز = غمزہ۔ غرور۔ اترانا۔

صفحہ ۸۲

ہزارا = ایک قسم کا گیندا۔ اور نیز ایک قسم کا لالہ جس کا پھول بہت بڑا ہوتا ہے۔

صفحہ ۸۳

دُنبال = دُم۔ پیچھا۔ وہ سُرمہ کی لکیر جو آنکھ کے کونے سے آگے بڑھی ہوئی چھوڑ دیتے ہیں۔

صفحہ ۸۴

سُول = کانٹا۔ خارسناں۔ آنی۔

وتیرہ = طریقہ۔ شیوہ۔ راہ۔ روش

صفحہ ۸۵

مُحرم = انگیا کی کٹوری (کیونکہ اسکا پردہ عورت پر مرد سے واجب ہے اور یہ کپڑا اگویا محرم راز ہے اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا)۔

صفحہ ۸۶

ناموس = نیکنامی۔ عزت۔

صفحہ ۸۷

پریت = پیار۔ محبت۔ دوستی

جوگی کس کے میت = فقیر کسی کے دوست نہیں ہوتے۔

عالم الغیب = غیب کا حال جاننے والا۔

شید = مکر۔ فریب۔

صفحہ ۸۸

لاف = خودستائی۔ شیخی۔ تعلّی۔

قاف = ایک پہاڑ کا نام جو ایشیائے کوچک کے شمال میں بحیرہ کسپین اور بحر اسود کے مابین واقع ہے ۱۸۴۹۳ فٹ اونچا ہے۔

لق و دق = چٹیل میدان۔ صحرا بیابان۔ یہ لفظ اصل لغ و دغ تھا۔

صفحہ ۸۹

وصال = موت۔ وفات۔

صفحہ ۹۰

چنار = ایک بڑے درخت کا نام جس کی
پتیاں سرخ اور انسان کے پنجہ کے
مشابہ ہوتی ہیں۔ گو اس میں پھل نہیں
لگتا مگر لکڑی بہت کام میں آتی ہے

صفحہ ۹۱

سیلی = وہ بالوں کی ڈوری یا سیاہ ریشم جو
اکثر جوگی گلے میں پہنتے ہیں۔

گاتی = ایک قسم کی پوشش چادر یا کمبل
وغیرہ جس میں چادر کو بغلوں کے
نیچے سے نکال کر سینہ پر گرہ دے
لیتے ہیں۔

مندرا = جوگیوں کے کان کا کنڈل۔

شب دیز = مشکی گھوڑا۔ کالے رنگ
کا گھوڑا۔

صفحہ ۹۲

کہکشاں = (مخفف کاہ کشاں)۔
وہ طولانی سفیدی جو اندھیری رات
میں سڑک کی مانند آسمان پر دور تک
کھنچی ہوئی نظر آتی ہے اور اصل میں
بہت سے چھوٹے چھوٹے ستاروں
کی قطار ہے۔ کہکشاں اس وجہ سے
نام رکھا گیا کہ جس طرح کوئی شخص
گھاس رسی میں باندھ کر کھینچتا ہوا
دور تک لیجاتا ہے اور اس سے
زمین پر نشان پڑ جاتے ہیں۔ یہی
صورت اس کی ہے۔

تقویم = جنتری۔

سنبلہ = آسمان کے چھٹے برج یعنی
کنیا راس کا نام جو ایک لڑکی کی
صورت پر واقع ہوا ہے جس کا
دامن نیچے کو لٹکا ہوا سر شمال و
مغرب کی طرف اور پاؤں جنوب و
مشرق کی جانب ہیں۔ بایاں ہاتھ
کولے کی طرف جھکا ہوا اور سیدھا
ہاتھ کندھے کی جانب اٹھا ہوا ہے
چونکہ اس کے ہاتھ میں گیہوں کی بال
بھی ہے اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا۔

صفحہ ۹۳

قشقہ = ٹیکا۔ تلک۔ ماتھے کی بندی یا وہ علامت جو ہندو لوگ اپنے قوم کے رواج کے موافق صندل وغیرہ کی لگاتے ہیں۔

صفحہ ۹۵

مسبب = سبب پیدا کرنے والا۔ خدا تعالیٰ۔

صفحہ ۹۷

مرگ چھالا۔ پوست آہو۔ ہرن کی کھال جسے اکثر جوگی بستر کے کام میں لاتے ہیں اور متبرک سمجھ کر پوجا کے وقت اس سے آسن کا کام لیتے ہیں۔

کدارا = دیپک۔ راگ کی راگنی کا نام جو موسم گرما یعنی جیٹھ اساڑھ یا مئی و جون میں آدھی رات کو گائی جاتی ہے۔

صفحہ ۹۸

کھیت رہا = پسپا ہوا۔ شکست کھائی

لعبت = گڑیا۔ کھلونا۔ مورت۔ تصویر۔

حظ = خوشی۔ لطف۔

صفحہ ۹۹

برہن = فراق زدہ۔ برہ کی ماری

صفحہ ۱۰۱

بات میں قند گھولنا = میٹھی میٹھی باتیں کرنا

صفحہ ۱۰۳

اذیت = ایذا۔ دکھ۔

صفحہ ۱۰۴

ملک = بادشاہ۔

صفحہ ۱۰۵

مشیر = مشورہ دینے والا۔ صلاح کار۔

تقید = لغوی معنی قید کرنا۔ اصطلاحی تاکید۔ تنبیہ۔

صفحہ ۱۰۶

چوکی = پہرا۔ پاسبانی۔

مجرا = لغوی رواں کردہ شدہ ۔ بندگی ۔ آداب ۔ کورنش ۔
لاگوں ہونا = لاگو ہونا ۔ خواہشمند ہونا ۔ خواہاں ہونا ۔
من = ایک جواہر کا نام جو سانپ میں سے نکلتا ہے اس کی نسبت مشہور ہے کہ اندھیری رات میں سانپ اُسے اپنے مُنہ سے نکال کر باہر رکھ دیتا ہے اور اسکی روشنی میں دور تک پھرا کرتا ہے لیکن بعض محققوں کا بیان ہے کہ وہ ایک سبز یا خاکستری رنگ کا پتھر ہوتا ہے جس پر تین دھاریاں ہوتی ہیں اور یہ اکثر بڑے سانپ کے مغز یا کھوپڑی سے نکلا کرتا ہے ۔
نمط = روش ۔ دستور ۔ طور ۔
نخشب = ترکستان کے ایک شہر کا نام جسے ترکی میں قرشی کہتے ہیں ۔ حکیم ابن عطائی نے جو مقنع کے نام سے مشہور ہے اس کے نواح میں ایک چاند موسوم بہ چاہ نخشب بعض فلزات مثل سیماب وغیرہ کی لاگ سے بنا کر نکالا تھا جو دو ماہ تک غروب نہیں ہوتا تھا اور چار فرسنگ تک اس کی روشنی پہنچتی تھی ۔ یہ چاند چاہ نخشب سے نکلتا تھا اور وہیں غروب ہوتا تھا ۔
ظلمات = وہ تاریکی جس میں آب حیات خیال کیا جاتا ہے ۔

صفحہ ۱۰۹

ناؤں = نام ۔

صفحہ ۱۱۱

بے داشت = جنکی نگہبانی نہیں نہیں کی گئی ۔

صفحہ ۱۱۳

بندھوا = قیدی ۔ اسیر ۔ زندانی ۔
امرت ۔ آبِ حیات ۔

تریاق = نہایت میٹھا پانی۔

صفحہ ۱۱۶

اختلاط = ربط۔ ضبط۔ میل جول

صفحہ ۱۱۸

الماس = ہیرا۔ ایک قیمتی پتھر

لاہی = ایک قسم کا نہایت باریک ریشمی کپڑا۔

صفحہ ۱۱۹

دگدگا = روشن۔ تاباں۔

بھٹنی = سرپستانِ زناں حلمہ

کھجوری چوٹی = ایک قسم کے لہردار گندھے ہوئے بال۔

بنت۔ ایک قسم کی ٹوپی کا نام ہے جس میں گوکھرو سلمہ ستارا لگا ہوا ہوتا ہے۔

سبزی پینا = بھنگ پینا۔

صفحہ ۱۲۰

جم = جمشید۔ ایران کے ایک مشہور بادشاہ کا نام اصل میں اس کا نام جم تھا مگر آذربائیجان کے جشن کے بعد لفظ شید جس کے معنی شعاع آفتاب ہے اور زیادہ کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ بادشاہ سفر کرتا ہوا مقام مذکور پر پہنچا تو آفتاب کے نقطۂ حمل میں آنے کا دن تھا۔ پس بادشاہ کے حکم کے مطابق اس روز تخت مرصع بلند جگہ پر رکھا گیا اور تاج مرصع زیب سر فرما کر تخت شاہی پر جلوس فرمایا۔ جب آفتاب نکلا تو اس کا عکس اور شعاع تاج و تخت پر پڑنے سے نہایت روشنی ظاہر ہوئی کیونکہ پہلوی زبان میں شعاع کو شید کہتے ہیں پس اس روز سے جمشید مشہور ہو گیا اور اس روز کا نام نوروز رکھا گیا۔ جم پیشدادیوں کا چوتھا بادشاہ تھا۔ نیک طبع تھا نیک نہاد تھا۔ عالم جوانی میں بوڑھے

تجربہ کاروں سے بڑھ گیا تھا۔ تخت جمشید نامی عمارت جس کے کھنڈرات اب تک باقی ہیں اُسی کے وقت کی یادگار ہے۔ جس وقت آفتاب موسم بہار کے اوّل گھر میں آیا اور رات دن برابر ہوئے تو جمشید نے اس عالیشان عمارت میں جشن جمشیدی فرمایا لوگوں کو زر و جواہر سے مالا مال اور ارکان سلطنت کو نہال کر دیا اور اس دن کا نام نوروز رکھا۔ چنانچہ یہ نوروز اب تک پارسیوں میں منایا جاتا ہے۔ حکیم فیثاغورس جو حضرت مسیح سے ۵۷۰ برس پہلے پیدا ہوا اس کا ہمعصر تھا، حکیم مذکور نے ہی جمشید کے واسطے راگ اور ساز ایجاد کیا۔ شراب جسکا نام شاہ دارو رکھا گیا اس کے زمانہ میں تیار ہوئی۔ جام جم

اسی نے بنایا۔ پارسیوں کے چار فرقے دینی و شرعی ملکی و مالی سپہ گری و جنگ آرائی۔ دکانداری و کاریگری اہل ہند کے چار برنوں کے موافق اس نے قرار دئے۔ گو اس نے اخیر میں خدائی کا دعویٰ کیا لیکن پارسی اس کو پیغمبر مانتے ہیں

فریدون = فارس کے ایک مشہور بادشاہ بن آبتین کا نام جو ملک فارس میں طہورث کی نسل سے حضرت عیسیٰ کے زمانے سے ۷۵۰ برس پیشتر ہوا ہے۔ فریدون دو ہی مہینہ کا تھا کہ اس کے باپ کو ضحاک نے مارڈالا اور اس کے درپے ہوا کہ اس کی ماں فرانک اسے گھر سے لیکر بھاگی اور اپنا دودھ خشک ہو جانے کے سبب ایک گوالے کے سپرد کیا جس نے گائے کا دودھ پلا پلاکر فریدوں کو

پالا اور آخر کو اس نے رعایا اور کاوہ آہنگر کی مدد سے ضحاک کو ہلاک کیا اور آپ تخت فارس پر متمکن ہوا۔

ہمم = ہمت کی جمع۔

برنا و پیر = جوان اور بوڑھے۔

شرع = راہ راست۔ قانون اسلام جو قرآن کے موافق ہے۔

حریف = دشمن۔

صفحہ ۱۲۲

پیوند = میل۔ مناسبت۔

صفحہ ۱۲۳

شگنی = نجومی۔ فال بتانے والا شگون بتانے والا۔

لگن دھرنا = شادی کا دن مقرر کرنا۔

میانہ = ایک قسم کی زنانی سواری۔ ڈولا۔ پینس۔

دھولسا = نقارہ۔

صفحہ ۱۲۴

ترپولیا = وہ بڑا سہ درہ پھاٹک جو بادشاہوں اور راجاؤں کی سواری کا جلوس بہ آسانی نکل جانے کی غرض سے محل کے سامنے یا بیچ بازار میں بنادیا جاتا ہے۔

ترنا = نرسنگ۔ سینگ کا بگل۔ ترہی۔

صفحہ ۱۲۶

سوہا = بھیروں۔ راگ کی بہار جا جو کنوار کاتک میں صبح کے وقت گاتے ہیں جیسے "سوہے کی ریت نہیں۔ مشرو (مشروع) کی توفیق نہیں"۔

سروج = سروج۔ بالچھڑ۔ کپور۔ کچری وغیرہ وہ خوشبو کی چیزیں جو ریت رسم کے وقت دولہا کے ایک ہاتھ سے پسوا کر دولہن کی مانگ میں بھرواتے ہیں۔

صفحہ ۴۹

شیریں = فرہاد کی معشوقہ اور خسرو
پرویز کی بیوی کا نام -

عرفان = خداشناسی - معرفت
حق تعالیٰ -

صفحہ ۱۳۰

محافہ = ڈولا - پالکی - فینس -
وہ پردہ دار سواری جس میں
عورتیں بیٹھتی اور کہار اُسے اُٹھاکر
لے چلتے ہیں - (عربی میں یہ لفظ
محفّہ تھا - فارسی والوں نے
تصرف کرکے محافہ بنالیا -)

چنڈول = سکھپال - محافہ - ڈولا -

چوتھی = بیاہ کی ایک رسم جو ساچق
کے چوتھے روز ہوتی ہے مگر آجکل
تیسرے ہی روز ہو جاتی ہے -

صفحہ ۱۳۱

دقیقہ نہ چھوڑا = کسر نہ چھوڑی -

صفحہ ۱۳۲

یوسف - حضرت یعقوب علیہ السّلام
کے ایک بیٹے کا نام جو بی بی راحیل
کے بطن سے اور نہایت خوبصورت
تھے - حضرت ممدوح ان کو بہت
پیار کرتے تھے اس سبب سے
اور نیز ایک خواب کی تعبیر کے
باعث جو انکی پیغمبری کی بشارت
تھی سب بھائی یوسف سے حسد
کرنے لگے یہاں تک کہ ان کے
رشک نے یوسف کے ہلاک کرنے
پر آمادہ کر دیا مگر اوبیل یعنی اوبن
مانع ہوا - اخیر کو انھوں نے
اوبن کی غیبت میں یوسف کو ایک
سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا -
اور سوداگر نے انھیں وہاں سے
لیجاکر عزیز مصر بوتی فار کے ہاتھ
بیچا - بوتی فار نے انھیں اپنے
گھر کا داروغہ بنادیا - اس جگہ
عزیز مصر کی بیوی زلیخا ان پر

عاشق ہوگئی مگر حضرت یوسف کو
انکار و احتراز رہا۔ اِس پر اُس نے
اِن پر الزام لگاکر قید کرا دیا۔
قید خانہ میں اُنھوں نے فرعون
بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتائی
جسکی صحت پر فرعون (قطفیر)
نے انھیں اپنا وزیر کر دیا جب
حسب تعبیر خواب مصر میں قحط پڑا
تو ان کے سب بھائی مصر میں
آئے۔ حضرت یوسف نے اپنے
باپ حضرت یعقوب کو بھی مصر
میں بُلاکر مقام گوشن میں رہنے
کی جگہ دی۔ حضرت یوسف نے
اپنی وفات تک مصر کی سلطنت
نہایت عدل و انصاف سے
کی اور ۱۱۰ برس کی عمر میں ۱۷۹۲
برس قبل مسیح وفات پائی۔

یعقوب = ولد حضرت اسحاق بن
حضرت ابراہیم کا نام انھیں

کے بارہ لڑکوں سے یہودیوں
کے بارہ فرقے بنام بنی اسرائیل
ہوئے ہیں۔ حضرت ربیعہ ان کی
ماں اِن سے بہت اُلفت رکھتی
تھیں اس وجہ سے حضرت اسحاق
علیہ السلام نے اس کو برکت
دی چودہ برس اپنے ماموں کی
خدمت میں رہے اس کے بعد
کنعاں میں بڑی دولت و حشمت
سے واپس آئے یہاں اِن کا
نام کسی فرشتے نے اسرائیل
رکھا ۱۴۷ برس کی عمر میں بمقام
گوشن ۱۶۸۹ برس قبل مسیح
وفات پائی۔ حضرت یوسف انھیں
کے بیٹے تھے اور انھیں اُن سے
بے حد محبت تھی۔

صفحہ ۱۳۵

ہاتف = آواز دینے والا غیب کی
آواز۔ سروش۔ فرشتہ۔

۳۰

نیشنل پریس اُردو لٹریچر سیریز نمبر ۱۶

مثنوی گلزار نسیم

مصححہ و مشرحہ

سید محمد منظور علی رضوی ایم - اے - ایل - ٹی

قیمت فی جلد ۸ر

ریویوز

ہر اُردو داں شخص اس بات سے آگاہ ہے کہ آج تک اُردو میں جتنی مثنویاں لکھی گئی ہیں اِن میں سے مثنوی گلزار نسیم اور مثنوی میر حسن ہی سب سے چوٹی کی سمجھی جاتی ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ اِن دونوں مثنویوں کے مصنفین پر یہ مثنویاں گویا الہام کی گئی ہیں مگر افسوس کہ آج تک کسی باحوصلہ شخص نے ان ہر دو کتب کو ایسی شکل و صورت میں طبع نہ کیا جو کہ اِن کتب کا حق تھی لیکن خدا بھلا کرے لالہ رام نراین لال صاحب پبلشر و بکسیلر الہ آباد کا کہ انھوں نے جہاں اور بہت سی اُردو اور انگریزی کی اعلیٰ درجہ کی کتب کو نہایت دیدہ زیب شکل و صورت میں طبع کیا ہے - وہاں ان دونوں مثنویوں کو بھی اپنی فیاضی کا رہین منت بنایا ہے اور ہم جناب لالہ صاحب موصوف الصدر

کے اس مہربانی کے لئے اور بھی مشکور ہیں کہ آپ نے ہمیں مثنوی گلزار نسیم کی ایک جلد مطالعہ اور ریویو کے لئے ارسال فرماکر مشکور احسان فرمایا ہے۔ یہ کتاب نہایت اعلیٰ درجہ کے خط اور کاغذ سے کتابی سایز پر چھاپی گئی ہے اور مجلد بھی کرائی گئی ہے۔ گویا اس کو بالکل اسی شکل و صورت میں چھاپا ہے جس میں کہ پنجاب میں سکولوں کے طلبا کے لئے نصاب تعلیم مطبع مفید عام پریس سے شائع ہوتے ہیں۔ کتاب کے اخیر میں مشکلات کا فرہنگ بھی لگا دیا گیا ہے۔ الغرض یہ کتاب جملہ معنوی اور ظاہری خوبیوں سے مزین ہے اور باوجود ان خوبیوں کے قیمت نہایت ہی معمولی یعنی صرف ۸ر رکھی گئی ہے سب اُردو خواں اصحاب منگواکر لطف اور فائدہ اٹھائیں۔ (از رسالہ تعلیم۔ لاہور)

مثنوی گلزار نسیم

مصححہ و مشرحہ سید منظور علی صاحب رضوی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ پنڈت دیاشنکر نسیم لکھنوی کی یہ مثنوی ملک سے بہت کچھ خراج تحسین حاصل کر چکی ہے مگر مرورِ ایام سے اور اُردو پریس کی عنایتوں سے اب اس میں کچھ ایسا خلط ملط ہو گیا ہے کہ مثنوی کی شانِ ادب باقی نہیں رہی۔ رضوی صاحب قابل شکریہ ہیں جنکو اُسکی اصلاح کا خیال آیا اور ایک صحیح ایڈیشن شائع کر دیا۔ ۱ سے ۱۰ صفحہ تک دیباچہ اور ۱ سے ۱۴ صفحہ تک مثنوی کی شرح درج کی گئی ہے اور ۹۰ صفحہ پر مثنوی ہے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد کاغذی کاغذ سفید۔ رام نراین لال صاحب پبلشر و تاجر کتب الہ آباد سے ۸ر میں مل سکتی ہے۔

(از رسالہ دین و دنیا دہلی۔ جلد ۲ نمبر ۷)

مثنوی گلزار نسیم

مثنوی گلزار نسیم کا نیا ایڈیشن لالہ رام نراین لال الہ آباد کے مشہور پبلشر نے تیار کرا کے مجلد شائع کیا ہے۔ مولوی سید محمد منظور علی صاحب رضوی۔ ایم۔ اے۔ لکھنؤ نے اس کو صحیح نسخوں سے مقابلہ کر کے مرتب کیا ہے آخر میں مشکل الفاظ اور محاورات کی شرح لکھی ہے اور شروع میں ایک مختصر دیباچہ بھی دیا ہے۔ فہرست مضامین بھی آسانی کے لئے دی گئی ہے۔ چھپائی لکھائی دیدہ زیب کاغذ سفید و بیز تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۱۵۲ صفحے قیمت ۸ ؍ فی جلد۔ قدیم اُردو کتب کو صحت اور خوشنائی کے ساتھ شائع کرنے کا خیال اب روز بروز ملک میں ترقی کر رہا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو داں پبلک کا ادبی مذاق میں ایک خاص تبدیلی واقع ہو گئی ہے جو ترقی ادب اُردو کے لئے ایک نیک شگون ہے۔ لالہ رام نراین لال نے اُردو کے اس مشہور مثنوی کے علاوہ اور کتابوں کو بھی اسی طریقہ سے چھپوایا ہے جس پر ہم آئندہ نوٹ لکھیں گے۔

(ذوالقرنین ۔ ۱۷ ؍ اگست ۱۹۲۵ء)

ملنے کا پتہ

لالہ رام نراین لال ۔ بکسیلر ۔ کٹرہ ۔ الہ آباد

نیشنل پریس الہ آباد میں باہتمام رمضان علی شاہ چھپا

۸۹۱۵۶۳۱۳ ۲۷۲۳مت

(۱۱م۲)

۱۱ ۲ ۳۲

Date	No.	Date	No.